خونی رومال
اے۔ حمید

بچوں کے لیے عبرت ناک ناول

خونی رومال

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز — پبلشرز

لاہور — حیدرآباد — کراچی

طابع ——— شیخ نیاز احمد
مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت ——— تین روپے

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز
ادبی مارکیٹ۔ چوک انار کلی، لاہور

ترتیب

کرنل عبدالغفور کے صاحبزادے،
عثمان غفور کے نام

جنگل میں ڈیرہ

آدھی رات کا وقت تھا کہ درختوں پر سے پرندے پھڑپھڑا کر اُڑ گئے۔

جنگل کی پُرسکون زندگی میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ابھی ابھی امراوتی ندی کی جانب سے بندوق کے فائر کی آواز گونجی تھی۔ آدھی رات کو پانی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہرن چوکڑیاں بھر کر بھاگ گئے۔ شیر اپنی کچھار میں ایک بار جھنجلا کر غرّایا اور پھر سر زمین پر رکھ کر سو گیا۔ بندروں نے ٹہنیوں میں خوخو خوخو کر کے شور مچانا شروع کر دیا۔ عام طور پر آدھی رات کو جنگل میں بندوق کے چلنے کی آواز شکاریوں کی ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہ آواز کسی شکاری کی بندوق کی نہیں تھی بلکہ سلطانہ ٹھگ کے گروہ کے ایک ڈاکو کی تھی جس نے ایک بندر کو مارنے کے لیے درخت پر فائر کر دیا تھا۔ بندر تو بھاگ گیا، لیکن سارے جنگل میں تھوڑی دیر کے لیے ایک ہلچل مچ گئی۔ سلطانہ ٹھگ نے جو ابھی ابھی گھوڑے سے اُترا ہی تھا، پوچھا یہ بندوق کس نے چلائی ہے؟ جب اُسے بتایا گیا کہ ایک ساتھی ڈاکو نے بندر پر فائر کیا ہے، تو وہ غصّے سے بولا:

"اُسے کہو اگر دوبارہ کسی بندر پر بندوق چلائی تو میں خود آکر اُس کا سر توڑ دوں گا۔"

سلطانہ ٹھگ اگرچہ ایک سنگ دل ڈاکو تھا۔ مگر وہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور پرندوں کے ساتھ بڑی رحم دلی کا سلوک کرتا تھا۔ اُس نے آج تک کسی عورت، بچے، بوڑھے پر ہاتھ نہ اُٹھایا تھا اور اپنے گروہ میں اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی نے کسی عورت، یا بوڑھے پر بندوق چلائی تو اُسے اُسی وقت درخت کے ساتھ لٹکا کر پھانسی دے دی جائے گی۔

سلطانہ ٹھگ کے سارے گروہ نے جنگل میں ڈیرہ جما لیا۔ جگہ جگہ ڈاکوؤں نے آگ روشن کر لی اور چائے وغیرہ بنا کر پینے لگے۔

پیارے دوستو، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے جب کہ انگریزوں نے پُورے برصغیر پاک و ہند میں اپنے قدم نہیں جمائے تھے — ٹھگوں نے وسطی ہند میں بندھیل کنڈ نجیب آباد اور حیدرآباد دکن کے علاقوں میں بڑی دہشت پھیلا رکھی تھی۔ یہ ٹھگ بالکل ڈاکوؤں کی طرح ہوتے تھے۔ صرف ان کا لوگوں کو قتل کرنے کا طریقہ ذرا مختلف تھا۔ وُہ طریقہ یہ تھا کہ ٹھگ ایک رومال گلے میں ڈال کر ایک جھٹکا دیتے اور اگلا آدمی فوراً مر جاتا۔ سلطانہ ٹھگ اس زمانے کا سب سے زیادہ مشہور ٹھگ اور ڈاکو تھا۔ سارے وسطی ہند میں

بچے بچے پر اُس کا خوف اور دہشت بیٹھی ہُوئی تھی۔ اگرچہ وُہ صرف امیروں کے ہاں ڈاکہ ڈالتا تھا اور غریبوں کو کچھ بھی نہیں کہتا تھا۔ پھر بھی کیا غریب اور کیا امیر، مُلک کا بچہ بچہ اُس کے نام سے کانپتا تھا۔

انگریزوں نے سلطانہ ٹھگ کو زندہ یا مُردہ پکڑنے کے لیے دس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کر رکھا تھا، مگر کسی مائی کے لعل میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سلطانہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ امیر سیٹھ اُس کے نام سے لرزتے تھے اور غریب لوگ اُس کی پُوجا کرتے تھے۔ کیونکہ سلطانہ ٹھگ ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ وُہ اپنے ڈاکوؤں کے گروہ کے ساتھ جس گاؤں سے گزر جاتا وہاں کے غریبوں میں روپیہ پیسہ اور لُوٹا ہُوا کپڑا تقسیم کرتا جاتا۔ لوگوں نے اُس کے قصے بنا رکھے تھے جنہیں وُہ بیاہ شادیوں میں گایا کرتے۔ انگریز پولیس سلطانہ ٹھگ سے عاجز آ چکی تھی مگر اُسے ابھی تک گرفتار نہ کر سکی تھی۔ سلطانہ ٹھگ کسی جگہ بھی ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہرتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو وُہ اپنے گروہ کے ساتھ راتوں کو بھی اپنا سفر جاری رکھتا۔

جس گاؤں کے کسی امیر سیٹھ کے گھر اُس نے ڈاکہ ڈالنا ہوتا وہاں وُہ اپنے گروہ کے ساتھ بڑی خاموشی کے ساتھ آدھی رات کے اندھیرے میں داخل ہوتا۔ وُہ کمند ڈال کر سیٹھ کے مکان کی

چھت پر چڑھ جاتا اور صحن میں اُتر کر سیٹھ کے مکان میں داخل ہو جاتا اور اُس سے تجوری کی چابیاں طلب کرکے کہتا :

"سیٹھ، غریبوں کو بہت لُوٹ چکے ہو۔ غریبوں کا بہت خُون پی چکے ہو۔ سلطانہ ٹھگ تم سے غریبوں کے خُون کا حساب لینے آیا ہے۔ لاؤ، خزانے کی چابیاں لاؤ۔"

اگر تو سیٹھ چابیاں دے دیتا تو سلطانہ ڈاکو کے آدمی فوراً ساری دولت سمیٹ کر وہاں سے چُپکے سے چلے جاتے۔ لیکن اگر وُہ اعتراض کرتا تو اُسے فوراً گولی مار دی جاتی۔ اِس بارے میں سلطانہ ٹھگ کبھی رحم سے کام نہ لیتا تھا۔ وُہ کہا کرتا تھا کہ غریبوں کا خُون چُوسنے والوں پر کبھی رحم نہیں کرنا چاہیے۔ اُسے گاؤں کے غریبوں کی پُوری فہرست دی جاتی۔ جن کے گھروں میں چوری چھُپے لُوٹ مار کے پیسے پہُنچا دِیے جاتے تھے۔

آج بھی سلطانہ ٹھگ ڈاکے کی نیّت سے جنگل میں آکر رُکا تھا۔ اُس جنگل سے نکل کر ندی پار حلبونی نام کا ایک گاؤں تھا جس میں ایک بہت بڑا سیٹھ رہتا تھا۔ اس سیٹھ کے ظلم و ستم کے قِصّے اردگرد کے علاقوں میں بڑے مشہور تھے۔ یہ سیٹھ کسانوں سے بیگار لیتا۔ یعنی اُن سے سارا سارا دن کام کرواتا اور ایک پَیسہ بھی اُجرت ادا نہ کرتا۔ وُہ جس گھر میں چاہے گھُس کر وہاں سے جو چیز پسند آتی اُٹھا کرلے جاتا۔ اُس کے آدمی لوگوں کے گھروں میں گھُس کر

اُن کی بھیڑ بکریاں، گائے بھینسیں اور لڑکیاں تک اُٹھا کرلے جاتے اور کوئی اُسے پُوچھنے والا نہ تھا۔

ریاست کی پولیس اُس کے آگے بے بس تھی۔ کیوں کہ ریاست کے راجہ سے اُس سیٹھ کی بڑی دوستی تھی اور وُہ ہر ہولی دیوالی پر ہندو راجہ کو بڑے قیمتی تحفے تحائف بھیجا کرتا تھا۔ غریب لوگ اُس کے ظُلم و ستم کے ہاتھوں بڑے تنگ آگئے تھے۔ مگر وُہ اپنا گاؤں چھوڑ کر کہیں اور جا بھی نہ سکتے تھے۔ مجبور ہو کر اُنھوں نے اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھوں سلطانہ ٹھگ کو پیغام بھجوایا کہ اُنھیں سیٹھ کے ظُلم سے نجات دلائی جائے ؛ چناں چہ آج سلطانہ اُس سیٹھ سے غریبوں کا انتقام لینے آیا تھا اور اُس نے جنگل میں آکر پڑاؤ ڈالا تھا۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی گزُرا تھا اور وُہ آدھی رات کے بعد گاؤں میں سیٹھ کے گھر ڈاکہ ڈالنا چاہتا تھا۔

سلطانہ ٹھگ کے چھوٹے سے خیمے میں لالٹین جل رہی تھی۔ وُہ زمین پر ایک قالین بچھائے بیٹھا تھا۔ بندُوق اُس کے سامنے پڑی تھی اور وُہ اپنے خاص ساتھی رحمت ٹھگ سے باتیں کر رہا تھا۔ وُہ اُس سے پُوچھ رہا تھا کہ کیا اُس نے سیٹھ کے مکان کا پُورا نقشہ بنا لیا ہے ؛ رحمت ٹھگ دو روز پہلے گاؤں میں گیا تھا اور اُس نے سیٹھ کے ایک نوکر کے ساتھ مِل کر سیٹھ کی عالی شان حویلی کا سارا جائزہ لے لیا تھا۔ اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ سیٹھ نے دولت کہاں

چھپا رکھی ہے اور وہ رات کو کون سے کمرے میں سوتا ہے؛ چناں چہ اُس نے سلطانہ سے کہا:

"میں نے آپ کو جو مکان کا نقشہ پیش کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ سیٹھ کی حویلی کے بارہ بڑے کمرے ہیں۔ چھ کمروں میں اناج گھی وغیرہ بند ہے۔ دو کمروں میں ریشمی کپڑوں کے صندوق ہیں۔ ایک کمرے میں بہت بڑی لوہے کی الماری ہے جس میں سیٹھ نے غریبوں کو لوٹ کر دولت جمع کر رکھی ہے۔"

سلطانہ ٹھگ نے پوچھا:

"وہ سوتا کون سے کمرے میں ہے؟"

"وہ جس کمرے میں سوتا ہے اُس کا ایک دروازہ صحن کی طرف کھلتا ہے جہاں ہر وقت ایک آدمی بندوق کندھے پر رکھے پہرہ دیتا ہے۔ حویلی کے بڑے دروازے کے باہر سیٹھ کے دو بڑے کُتّے ہر وقت چوکس بیٹھے رہتے ہیں اور وہ کسی غیر آدمی کو اندر نہیں گھُسنے دیتے۔"

"فکر نہ کرو، سیٹھ زمین کے اندر بھی چلا جائے تو سلطانہ کے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے بے گناہ غریبوں کا خون پی پی کر دولت جمع کی ہے۔ یہ دولت غریبوں میں ضرور تقسیم ہو کر رہے گی اب تم ایک گھنٹہ آرام کرو۔ اِس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

"جو حکم سردار۔"

رحمت ٹھگ سلطانہ سے اجازت لے کر اپنی چھولداری میں آ گیا اور ریچھ کی کھال کے بستر پر لیٹ کر رات کے ڈاکے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ آج رات وہ جس سیٹھ کے ہاں ڈاکہ ڈالنے جا رہے تھے وہ ریاست کے راجہ کا خاص دوست تھا اور اُس نے اپنی حویلی میں بندوق والے پہریدار مقرر کر رکھے تھے۔ رحمت ٹھگ خوفزدہ نہیں تھا۔ سلطانہ ٹھگ کے گروہ کا ایک بھی ڈاکو کبھی خوف نہیں کھاتا تھا۔ وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کس ترکیب سے حویلی میں داخل ہُوا جائے کہ پہریداروں کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہ بستر پر لیٹے لیٹے یہی غور کر رہا تھا۔

دُوسرے خیمے میں سلطانہ ٹھگ اُس لڑکی چندا کے بارے میں غور کر رہا تھا جو ایک ہفتہ پہلے اُسے چھتاری گاؤں کے پنگھٹ یعنی کنوئیں پر ملی تھی اور جس کو اُس نے اپنی پگڑی پھاڑ کر اُس کے سر پر ڈالی تھی اور اُسے اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔ یہ عجیب قسم کا واقعہ سلطانہ ٹھگ کی زندگی میں پہلا واقعہ تھا۔ قصہ یُوں ہُوا کہ ایک ہفتہ پہلے سلطانہ ٹھگ اکیلا ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ اُس نے منہ سر چھپا کر اپنا حُلیہ بدل رکھا تھا اور ایک جنگل سے گزر کر دُوسرے جنگل میں اپنے گروہ کے ساتھیوں کے پاس جا رہا تھا۔

جنگل سے نکل کر وہ کھیتوں میں آیا تو اُسے بڑی سخت پیاس

گی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، وہاں کوئی ندی یا کنواں نہیں تھا۔ ذرا فاصلے پر درختوں کے جھنڈوں میں ایک گاؤں کے کچے مکان نظر آ رہے تھے۔ سلطانہ نے سوچا کہ اُس گاؤں میں چل کر کسی گھر سے پانی پینا چاہیے۔ حُلیہ تو اُس نے بدلا ہی ہوا ہے۔ اُسے کون پہچان سکے گا۔ ویسے بھی گاؤں کے غریب لوگ سلطانہ ٹھگ سے بڑا پیار کرتے تھے۔ یہ سوچ کر سلطانہ ٹھگ اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔ بہت جلد وُہ گاؤں کے باہر پہنچ گیا۔ اُس نے پہلے ہی گھر کے باہر کھڑے ہوکر آواز دی :

"کوئی اندر ہو تو باہر آئے !"

مکان کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ سلطانہ ٹھگ نے گھوڑے سے اُتر کر دروازے پر ہاتھ مار کر پھر کہا :

"کوئی اندر ہو تو باہر آئے !"

اتنے میں اندر سے آواز آئی :

"باہر کون ہے ؟"

سلطانہ ٹھگ نے کہا :

"مَیں مُسافر ہوں، مجھے پیاس لگی ہے۔ پانی پینا چاہتا ہوں۔"

اندر ایک پل کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔ پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔

سلطانہ ٹھگ نے دیکھا۔ دروازے میں ایک پندرہ سولہ سال کی

سانولی سی لڑکی ہاتھوں میں پانی سے بھرا ہوا مٹی کا پیالہ لیے کھڑی تھی۔

"یہ لو بھائی پانی !"

سلطانہ نے لڑکی سے لے کر پانی پیا۔ پانی بڑا ٹھنڈا اور میٹھا تھا اور اس کے اندر سے کورے گھڑے کی مہک آرہی تھی۔ سلطانہ ٹھگ کی طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ جب تک وُہ پانی پیتا رہا سانولی لڑکی اُس کی طرف غور سے دیکھتی رہی۔ سلطانہ ٹھگ کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس کی لال لال آنکھیں اتنی خونخوار اور ڈراؤنی ہیں کہ کوئی بھی اُس کی طرف ٹکٹکی لگا کر نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وُہ حیران ہوا کہ جب تک وُہ پانی پیتا رہا لڑکی اُسے دیکھتی رہی۔ پانی پی کر اُس نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور پُوچھا :

"تمھارا نام کیا ہے لڑکی ؟"

"چندا" لڑکی نے بڑے سکون سے کہا۔

"اچھا لڑکی، بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم نے کبھی سلطانہ ڈاکو کا نام سُنا ہے ؟"

لڑکی نے بے نیازی سے جواب دیا :

"ہاں سُنا ہے !"

"کیا تم سلطانہ ڈاکو سے ڈرتی ہو ؟"

"مَیں کیوں اُس سے ڈروں، مَیں تو صرف خُدا سے ڈرتی ہوں!"

"مگر سلطانہ ڈاکو سے تو سارا ملک ڈرتا ہے !"

"ڈرتا ہے تو ڈرا کرے، مَیں تو اُس سے نہیں ڈرتی ۔"

"اچھا، اگر سلطانہ ڈاکو تمہارے سامنے آجائے تو تم کیا کرو گی ؟"

"کچھ بھی نہیں ۔ مَیں کیا کروں گی ۔ سامنے آتا ہے تو آتا رہے، مَیں کوئی اُس کا دیا کھاتی ہُوں ۔"

سلطانہ ٹھگ دلیر لڑکی سے بہت خُوش ہُوا ۔ اُس نے اپنی پگڑی اُتار کر اُس کا دوپٹہ پھاڑا اور چندا کے سر پر اوڑھ کر بولا :

"چندا، آج سے تم میری بیٹی ہو ۔"

چندا اُس اجنبی کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگی ۔ سلطانہ ٹھگ نے پیالہ لڑکی کو دے کر سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر جانے لگا، تو چندا نے پُوچھا :

"تم نے مجھے بیٹی تو بنا لیا ہے، اگر مجھے یہ تو بتاتے جاؤ کہ تم کون ہو ؟"

سلطانہ ٹھگ نے چہرے پر سے کپڑا اُتار کر کہا :

"سلطانہ ڈاکو ۔"

اور گھوڑا دوڑا کر آگے نکل گیا ۔ چندا اُسے حیرانی سے تکتی ہی رہ گئی ۔ اتنے میں اُس کا باپ بچارے کا گٹھا سر پر اُٹھائے وہاں آیا تو اُس نے پُوچھا :

"تم کس اجنبی سے باتیں کر رہی تھیں ؟"

چندا نے کہا :

"ابّا، سلطانہ ڈاکو نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا ہے ۔ یہ دیکھو اُس نے اپنی پگڑی پھاڑ کر میرے سر پر دوپٹہ اوڑھایا ہے ۔"

باپ حیرت زدہ ہو گیا ۔ اُس نے کہا :

"سلطانہ ٹھگ نیک اور عزت مند ہے ۔ وہ دُوسروں کی بیٹیوں کو اپنی بیٹی سمجھتا ہے ۔ اگر اُس نے تم کو اپنی بیٹی کہا ہے تو پھر تم آج سے اُس کی بھی بیٹی ہی ہو ۔ اِس دوپٹے کو سنبھال کر رکھنا میری بیٹی ۔"

سلطانہ ڈاکو دُوسرے جنگل میں جا کر اپنے گروہ کے ساتھیوں میں آگیا ۔ اُس نے اِس کا ذکر اپنے ساتھی رحمت سے کیا اور کہا کہ وہ بہت خُوش ہے کیوں کہ آج اُس نے ایک دلیر دیہاتی لڑکی کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے ۔

اِس وقت بھی سلطانہ ٹھگ اپنے خیمے میں بیٹھا اپنی منہ بولی بیٹی چندا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اُس کا ساتھی رحمت اندر داخل ہُوا ۔

"سردار، وقت ہو گیا ہے ۔ میرا خیال ہے اب ڈاکہ کے لیے چل پڑنا چاہیے ۔"

"سب کچھ تیار ہے ؟"

"ہر شے تیار ہے سردار ۔"

"شاباش ۔"

اِتنا کہہ کر سلطانہ قالین پر سے اُٹھا۔ اُس نے بھری ہُوئی بندُوق پر رکھی اور خیمے سے باہر آگیا۔ باہر پچاس ساٹھ کے قریب ڈاکو گھوڑوں پر سوار بندُوقیں لگائے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطانہ ٹھگ بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ڈاکوؤں کے گروہ کا ایک حِصّہ اُس کے ساتھ جنگل میں خاموشی سے چل پڑا۔ باقی سارے ڈاکو جنگل میں ہی پڑاؤ ڈالے رہے۔ اُن کا پروگرام سیٹھ کے گھر ڈاکہ ڈالنے کے بعد اِسی جنگل میں واپس آنا تھا۔

٭٭٭٭٭

ڈاکہ اور تعاقب

•

جھلونی گاؤں رات کے اندھیرے میں ڈوبا ہُوا تھا۔

کبھی وقت دُور کوئی کُتّا تھوڑی دیر بھونک کر خاموش ہو جاتا تھا۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ گاؤں کے سبھی کچے مکانوں کے دِیے بُجھے ہُوئے تھے۔ صِرف گاؤں کے ظالم سیٹھ کی اُونچی پکّی حویلی میں ایک جگہ چوبارے میں لالٹین کی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی اتنی مدّھم تھی کہ اندھیرے میں ٹمٹماتی معلوم ہو رہی تھی۔ سلطانہ کے ساتھ پچاس ساٹھ ڈاکوؤں کا گروہ قدم قدم گھوڑے چلاتا بڑی خموشی اور احتیاط کے ساتھ گاؤں کے مشرقی علاقے میں داخل ہو گیا۔ اِس طرف سیٹھ کی حویلی کی پچھلی دیوار تھی جو دو منزلوں تک اُوپر چلی گئی تھی۔ سلطانہ ٹھگ نے اپنے ساتھیوں کو بڑی احتیاط سے حویلی کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ ڈاکوؤں نے حویلی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے اُتر کر زمین پر بندُوقوں سے مورچہ بنا کر لیٹ گئے۔ اپنے طریقے کے مطابق ایک ڈاکو جھولا لے کر رینگتا ہُوا حویلی کے بڑے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

جب وُہ حویلی کے دروازے کے قریب پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ

دو بڑے بڑے کُتّے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ اُنہوں نے بھی شاید کسی غیر آدمی کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا؛ چنانچہ اُنہوں نے کان کھڑے کر دیے اور اِس سے پہلے کہ وُہ بھونکنا شروع کریں، ڈاکو نے جھولے میں سے سات آٹھ سینگ نکال کر کُتّوں کے آگے پھینک دیے۔ اِن سینگوں کو زیادہ کھوکھلا کر کے اُن کے اندر کُوٹ کُوٹ کر قیمہ بھرا ہُوا تھا۔ مقصد اِس سے یہ تھا کہ کُتّے قیمہ کھانے میں لگے رہیں اور اِتنے میں ڈاکو اپنا کام کر لیں۔ سینگوں میں بھر کر قیمہ اِس لیے کُتّوں کو ڈالا جاتا تھا کہ اُن میں سے قیمہ اتنی آسانی سے نِکلتا نہیں تھا اور کُتّے اُنہیں چھوڑتے بھی نہیں تھے؛ چنانچہ اِس طرح کُتّے ایک کام میں لگے رہتے تھے، ورنہ اگر اُن کے آگے پانچ سیر گوشت بھی ڈال دیا جائے تو وُہ دس منٹ میں کھا کر فارغ ہو جائیں اور دوبارہ بھونکنا شروع کر دیں۔

کُتّوں کے آگے سینگ پھینکے گئے تو وُہ قیمے کی بُو پا کر اُن پر جھپٹ پڑے۔ وُہ سینگ اُٹھا کر ایک طرف لے گئے اور بڑے اطمینان اور شوق سے اُن میں سے تھوڑا تھوڑا قیمہ نکال کر کھانے کی کوشش کرنے لگے۔ اِس کام سے فارغ ہو کر ڈاکو دوبارہ اپنے مورچے میں آ گیا۔ دُوسری طرف سلطانہ ٹھگ اور رحمت اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حویلی کی دیوار کے نیچے پُہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے دیوار کا جائزہ لیا۔

سلطانہ ٹھگ نے اندھیرے میں رحمت کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یہ اشارہ تھا — رحمت نے گھوڑے پر رکھا ہُوا رسّہ اُٹھا کر آہستہ سے گھمایا اور اُسے دیوار کے اُوپر چھت کی منڈیر پر اُچھال دیا۔ رسّہ مع آنکڑے کے واپس آ گیا۔ تیسری بار کمند اُچھالنے سے آنکڑا چھت کی منڈیر میں پھنس گیا۔ اب سلطانہ ڈاکو آگے بڑھا اور کمند کے رسّے کو تھام کر ایک ماہر بازی گر کی طرح دیوار کے ساتھ پاؤں لگا کر دیکھتے دیکھتے دیوار کے اُوپر چڑھ گیا۔ اُس کے پیچھے اُس کا ساتھی رحمت اور پھر دُوسرے ڈاکو بھی چھت پر پُہنچ گئے۔ ایک ڈاکو درختوں کے نیچے گھوڑوں کی رکھوالی کرتا رہا۔ اُسے حُکم دیا گیا تھا کہ اگر خطرہ محسوس کرے تو منہ سے اُلّو کی آواز نکالے۔ جسے سُن کر ڈاکوؤں کو فوراً آ جانا ہوتا تھا۔

چھت پر جا کر سلطانہ ٹھگ اور رحمت نے کوٹھے کا جائزہ لیا۔ یہ کوٹھا کافی کُھلا تھا۔ اُنہوں نے منڈیر کے ساتھ لگ کر نیچے صحن میں جھانکا۔ صحن رات کے اندھیرے میں ویران پڑا تھا۔ صرف ایک کوٹھڑی میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔ رحمت نے سلطانہ ٹھگ کو اشارے سے بتایا کہ اُنہیں مغربی دیوار کا سہارا لے کر نیچے صحن میں اُترنا ہو گا۔ ایک ڈاکو بندُوق لیے چھت پر کھڑا ہو گیا اور سلطانہ ٹھگ دیوار کے روشندان کا سہارا لے کر نیچے اُتر گیا۔ اُس کے بعد رحمت اور دُوسرے ڈاکو بھی نیچے آ گئے۔

رحمت کے بتائے ہُوئے راستے سے وُہ صحن میں سے دبے پاؤں گزرتے ایک دروازے کی طرف بڑھے۔ جہاں سے سیڑھیاں نیچے اُتر جاتی تھیں۔ یہ دروازہ بند تھا۔ سلطانہ نے کندھے سے ذرا دھکا دیا، دروازہ کھُل گیا۔ اُس کے کھُلنے سے ذرا آواز پیدا ہُوئی— تینوں ڈاکو وہیں کھڑے کے کھڑے ہو گئے اور دیکھنے لگے کہ دروازے کی آواز سُن کر پہریدار ہوشیار تو نہیں ہوگیا۔ مگر کسی کے کانوں تک وُہ آواز نہیں پہنچی تھی۔ حویلی میں ہر طرف گہری خوشی طاری تھی۔ رحمت، سلطانہ اور ڈاکو ساتھی اندھیری سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گئے۔ یہ ایک برآمدہ تھا۔ اُنہوں نے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر پہریدار بندُوق گود میں رکھے سٹول پر بیٹھا اُونگھ رہا ہے۔ گویا یہی کمرہ سیٹھ کا تھا۔

رحمت نے اُس کمرے کی طرف اشارہ کر کے سلطانہ ٹھگ کے کان میں آہستہ سے سرگوشی کر کے بتایا کہ وُہ کمرہ سیٹھ کی خواب گاہ ہے۔ سلطانہ نے رحمت کو وہیں کھڑے رہنے کو کہا اور خود اندھیرے میں دیوار کے ساتھ سایے کی طرح لگ کر آہستہ آہستہ پہریدار کی طرف بڑھنے لگا۔ اگر اُس کے پاؤں کی ہلکی سی آہٹ بھی پیدا ہو جاتی تو پہریدار کے فوراً ہوشیار ہو کر گولی چلا دینے کا خدشہ تھا۔ مگر سلطانہ ڈاکو یُوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے ایک بے جان سایہ ہے جو خاموشی سے دیوار کے ساتھ چپٹا چل رہا ہے۔ پہریدار کے بالکل قریب پہنچ

کر سلطانہ ٹھگ نے جیب میں سے رومال نکال کر اُسے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور پھر ذرا آگے جھُک کر پلک جھپکنے میں اُسے پہریدار کی گردن میں ڈال کر اِس زور سے مروڑ کر جھٹکا دیا کہ پہریدار کوئی آواز نکالے بغیر مرگیا اور سٹول سے لڑھک کر نیچے گر پڑا۔

اُس کے گرتے ہی رحمت اور تیسرا ڈاکو بھی سیڑھیوں کے دروازے میں سے باہر نکل آئے اور دبے پاؤں بڑھتے ہُوئے سیٹھ کے کمرے کے باہر پہنچ گئے۔ سلطانہ ٹھگ نے دروازے کو آہستہ سے اندر دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اب کیا کیا جائے؟ سلطانہ نے سوچا۔ اگر وُہ دروازہ توڑتے ہیں تو اُس کے شور سے حویلی کے سارے لوگوں کے جاگ پڑنے کا ڈر تھا۔ سلطانہ ڈاکو لوگوں سے ڈرتا نہیں تھا۔ مگر وُہ زیادہ خُون خرابے سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ وگرنہ یہ ناممکن تھا کہ لوگ جاگ کر اُس کے مقابلے پر آئیں اور سلطانہ ٹھگ اُنہیں بھُون کر نہ رکھ دے۔ اُس نے ہمیشہ اُس شخص کو ہلاک کیا تھا جو اُس کے مقابلے کو آیا ہو، یا ایسے ظالم شخص کو مارا تھا جس نے اپنے ظُلم وستم سے خلقِ خدُا کا جینا حرام کر رکھا ہو۔

اب سلطانہ ڈاکو اپنے ساتھی رحمت اور دُوسرے ڈاکو کے ساتھ سیٹھ کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ خواب گاہ میں بھاری ریشمی پردے ٹنگے ہُوئے تھے۔ کسی عطر کی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سلطانہ نے بھاری پردہ آہستہ سے دروازے سے ہٹایا۔ سامنے کمرے کی ایک

جانب شیشے کی الماری کے پاس بڑے شاندار پلنگ پر سیٹھ سو رہا تھا۔ سلطانہ ڈاکو نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وُہ تینوں آگے بڑھے اور سیٹھ کے پلنگ کے اردگرد اُس کی مَوت بن کر کھڑے ہو گئے۔ سلطانہ نے پلنگ کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ سیٹھ ہڑبڑا کر جاگ پڑا۔

"کون ہے ؟" اُس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔

"تمہاری مَوت" سلطانہ نے کہا۔

سیٹھ خوف زدہ ہو کر آنکھیں ملنے لگا۔ سلطانہ ڈاکو نے بندوق سیٹھ کی موٹی توند پر رکھ کر کہا :

"مجھے پہچانتے ہو سیٹھ ؟"

"کو.... کون ہو تم ؟"

سلطانہ ڈاکو نے قہقہہ لگا کر کہا :

"تمہاری مَوت ___ سلطانہ ڈاکو"

"سس سس ___ سلطانہ ڈاکو ؟"

"ہاں، سلطانہ ڈاکو ___ چپکے سے تجوری کی چابیاں تھما دو"

"وُہ تو میرے پاس نہیں ہیں"

رحمت نے کہا :

"سردار، سیدھی اُنگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ ذرا ٹھہرو، مَیں ابھی اِس سے چابیاں لیتا ہُوں"

اور اِتنا کہہ کر رحمت نے رسّی سیٹھ کے گلے میں ڈال کر اُسے

کَسنا شروع کر دیا۔ سیٹھ کا دم گھٹنے لگا اور دُوسرے لمحے اُس کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ رحمت نے رسّی ڈھیلی کر دی۔

"بتاؤ چابیاں کہاں ہیں ؟"

سیٹھ نے سرہانے کے نیچے سے چابیاں نکال کر رحمت کے حوالے کر دیں۔ سلطانہ نے اپنے تیسرے ساتھی ڈاکو کو سیٹھ کے سر پر بندوق کا پہرہ دینے کو کہا اور خود رحمت کو ساتھ لے کر ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ یہاں دیوار کے ساتھ لوہے کی ایک بہت بڑی الماری کھڑی تھی۔ جب الماری کو کھولا گیا تو اُس کے خانوں میں کرنسی نوٹ اور بے شمار سونے کے زیورات بھرے ہُوئے تھے۔

"رحمت، سارے زیورات اور نوٹ نکال لو"

رحمت نے اسی وقت سارے نوٹ اور زیور نکال کر تھیلوں میں بھر لیے اور خالی تجوری کو بند کر کے تالا لگا دیا۔ پچھلے خانے میں وُہ اشٹام بھی پڑے تھے جن پر غریب کسانوں کے انگوٹھے لگوا کر سیٹھ نے اُن سے اُن کی زمینیں ہتھیا لی تھیں۔ سلطانہ نے وُہ اشٹام بھی نکال لیے۔ جب وُہ سیٹھ کے کمرے میں آئے تو دیکھا کہ ڈاکو کی بندوق کی نالی سیٹھ کی گردن سے لگی ہے اور موٹا سیٹھ پلنگ پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا ہے۔

رحمت نے چابیاں سیٹھ کے منہ پر مار دیں۔

"یہ لو اپنی چابیاں سیٹھ، اب ہمیں اِن کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمہاری وُہ ساری دولت سمیٹ لی ہے جو تم نے غریبوں کا خون چُوس کر جمع کی تھی۔"

سلطانہ نے کہا:

"اور وُہ کاغذات بھی لے لیے ہیں جن پر انگوٹھے لگوا کر تم نے غریب کسانوں کی ساری زمینیں ہڑپ کر لی تھیں۔ ہم ان کاغذوں کو آگ لگا دیں گے اور آج سے وُہ کسان ایک بار پھر اپنی زمینوں کے مالک ہوں گے۔"

سیٹھ نے گڑگڑا کر کہا:

"خُدا کے لیے میری دولت لے جاؤ، مگر وُہ اسٹام مجھے دے دو۔"

سلطانہ نے سیٹھ کے مُنہ پر زور دار طمانچہ مار کر کہا:

"اِس لیے واپس کر دیں کہ تم اُن کی زمینوں پر قبضہ کر کے خود عیش کرو اور اُنہیں بھُوکوں مارو۔ ہم تمہیں تمہارے ظلم و ستم کی وہ سزا دیں گے کہ سارا گاؤں اُسے یاد رکھے گا۔ ہم گاؤں کے غریبوں کو تمہارے ظلم سے نجات دلانے آئے ہیں، رحمت اپنا کام کرو۔"

سیٹھ سمجھ گیا کہ اُس کی موت آگئی۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"خُدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ مَیں آئندہ ظلم نہیں کروں گا۔"

"ظالم کو معاف کرنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ تجھے اپنے راجہ کی دوستی پر بڑا مان ہے۔ تم نے راجہ کی شہ پا کر لوگوں پر اتنا ظلم کیا ہے کہ گاؤں کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ مگر اب تمہارے ظلم کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ اب تم کبھی کسی غریب کی بیٹی پر حملہ نہ کر سکو گے۔ رحمت ہوشیار۔"

"جو حکم سردار۔"

اِس کے ساتھ ہی رحمت نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رومال سیٹھ کے گلے میں ڈالا اور اِس سے پہلے کہ سیٹھ سنبھل سکے اُسے مروڑ کر اِس زور سے جھٹکا دیا کہ سیٹھ کی موٹی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور وُہ بے جان ہو کر پلنگ پر گر پڑا۔ سلطانہ ڈاکو نے حکم دیا:

"حویلی کو آگ لگا دی جائے۔"

رحمت اور تیسرے ڈاکو نے کمرے کے سارے کپڑے، بستر اور چادروں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اُنہیں آگ لگا دی۔ پھر وُہ بڑی تیزی سے باہر نکلے اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ برآمدے میں پہریدار کی لاش اُسی طرح پڑی تھی۔ اُنہوں نے برآمدے میں سے گزر کر سیڑھیاں عبور کیں اور حویلی کی چھت پر آگئے۔ حویلی میں ایک شور مچ گیا اور سیٹھ کے رکھے ہوئے کرایے کے پہریداروں نے فائرنگ شروع کر دی۔

جواب میں سلطانہ ڈاکو کے ساتھیوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ حویلی کے چاروں طرف سلطانہ کے آدمی مورچے بنائے بیٹھے تھے اُنھوں نے حویلی کی طرف بندوقوں کا رُخ کر کے اندھا دھند گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ حویلی کی چھت پر پہنچ کر سلطانہ نے آگ کا گولہ ہوا میں چلا کر اُنہیں سگنل دے دیا تھا کہ وُہ چھت پر پُہنچ چکے ہیں۔ کمند کی مدد سے وُہ تینوں چھت پر سے اُتر کر نیچے آگئے۔ چوتھا ساتھی گھوڑے لیے تیار کھڑا تھا۔ وُہ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور گاؤں کے گرد چکّر لگا کر حویلی پر گولیاں برسانے لگے۔ اب صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ حویلی میں آگ لگ چُکی تھی اور شعلے آسمان کو چھُو رہے تھے۔ سارا گاؤں جاگ پڑا تھا اور روشن ہو گیا تھا۔

سلطانہ ڈاکو کے ساتھیوں نے سیٹھ کے باقی بچے ہُوئے نوکروں کو گرفتار کر لیا اور اُنہیں رسّیوں میں جکڑ کر ایک طرف باندھ ڈالا پھر اُس نے سارے گاؤں کو اکٹھا کر کے اعلان کیا:

"بھائیو، مَیں سلطانہ ڈاکو ہُوں۔ آج سے تم سیٹھ کے ظلم و ستم سے آزاد ہو۔ مَیں سیٹھ کی تجوری سے وُہ سارے اشٹام اُٹھا کر لے آیا ہُوں۔ جن کی وجہ سے سیٹھ نے تمہاری زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ دیکھو وُہ سارے کاغذات"

سلطانہ نے جب کسانوں کو اشٹام دکھائے تو وُہ حیران رہ گئے اور جب سلطانہ نے اعلان کیا کہ وُہ ان ساری دستاویزات کو آگ لگا

کر اُنہیں اور اُن کی زمینوں کو سیٹھ کے پنجے سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر رہا ہے تو لوگوں نے خُوشی سے نعرے لگائے اور ہر طرف سلطانہ زندہ باد، سلطانہ زندہ باد ہونے لگا۔ اس کے بعد سلطانہ ڈاکو نے ان لوگوں میں بے شمار روپے تقسیم کیے۔ ابھی وُہ روپے تقسیم کر کے فارغ ہی ہُوا تھا کہ گاؤں کے باہر سے فائرنگ کی آواز آئی اور سلطانہ ڈاکو کا ایک ساتھی گولی لگتے ہی گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ سلطانہ کو اِس کی خبر نہیں تھی کہ ایک پہریدار کسی طرح بچ کر راجہ کے محل تک پُہنچ گیا تھا۔ اُس نے راجہ کو سلطانہ ڈاکو کے بارے میں بتایا تو اُس نے فوراً اپنی فوج کو سلطانہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ ریاستی فوج سر پر آگئی تھی۔ سلطانہ ڈاکو نے ایک نعرہ لگا کر ہوائی فائر کیا اور ڈاکوؤں کو جنگل کی طرف روپوش ہونے کا حکم دیا۔ ڈاکو جنگل کی طرف بھاگے تو ریاستی سپاہی اُن کے تعاقب میں پیچھے چل پڑے۔

٭٭٭٭٭

خُونی رُومال

•

جنگل میں پہنچتے ہی ڈاکوؤں نے مورچے سنبھال لیے۔
ریاست کے سپاہی ابھی میدان اور کھیتوں ہی میں تھے کہ ڈاکوؤں نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ سپاہی فوراً کھیتوں میں لیٹ گئے اور جھاڑیوں، درختوں کے پیچھے سے فائرنگ کرنے لگے۔ مگر وہ کھلے میدان میں تھے جب کہ ڈاکو جنگل میں درختوں اور پتھروں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ گولیوں کی آواز سُن کر دوسرے ڈاکو بھی موقع پر پہنچ گئے اور اُنھوں نے پیچھے گاؤں کی طرف سے آکر ریاستی سپاہیوں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ سپاہیوں نے جب پیچھے سے بھی گولیاں چلتی دیکھیں اور اُن کے ساتھی عقب کی سمت سے آنے والی گولیوں سے بھی ہلاک ہونے لگے اور اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

مگر اُن کے لیے بھاگنے کو اب کوئی رستہ نہیں تھا۔ اُن کے چاروں طرف سلطانہ ڈاکو کے آدمی تھے جو مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ آخر ریاستی سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور اُٹھ کر ہاتھ کھڑے کر دیے۔ سلطانہ ڈاکو نے فائرنگ بند

کرنے کا اشارہ کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت سپاہیوں کے پاس آ کر اُن سے کہا:

"کیا تمھیں معلوم نہیں تھا کہ تمھارا مقابلہ سلطانہ سے ہے؟ پھر تم نے میرے آدمیوں پر گولی چلانے کی جرأت کیسے کی؟"

حوالدار نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"حضور ہمیں راجہ کا حکم تھا اور ہم تو حکم کے غلام ہیں۔"

سلطانہ نے کڑک کر کہا:

"پھر تم نے راجہ کا حکم ماننے کا انجام دیکھ لیا! اب بولو، راجہ کا حکم مانو گے یا سلطانہ کا؟"

"سلطانہ کا حضور" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"دیکھو، تم دو ٹکے کے نوکر ہو اور بال بچوں والے ہو۔ مَیں تم پر ترس کھاتا ہوں۔ سلطانہ نے کبھی کسی بے گناہ پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ مَیں چاہوں تو تم سب کو ابھی قتل کر سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے تمھارا نہیں، تمھارے بیوی بچوں اور ماں باپ کا خیال ہے۔ اس لیے تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہتھیار پھینک کر اور کپڑے اُتار کر یہاں سے بھاگ جاؤ اور راجہ کو جا کر کہو کہ آئندہ کے لیے سلطانہ ڈاکو کا مقابلہ کرنے کی کبھی ہمت نہ کرے۔ اُتارو کپڑے اور بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

سلطانہ ڈاکو کے حکم کی تعمیل میں سارے ریاستی سپاہیوں نے

اپنی وردیاں اُتار کر ایک جگہ ڈھیر کر دیں اور صرف بنیان اور جانگیے
میں ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہُوئے۔ اُنھیں ڈاکوؤں کے قہقہے
دُور تک سُنائی دیتے رہے۔

وردیوں کے بغیر انتہائی شرمناک حالت میں یہ سپاہی جب
راجہ کے پاس پہنچے تو راجہ غصّے سے باؤلا ہوگیا۔ اُس نے چیخ چیخ
کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اُسی وقت وزیر کو بُلایا اور کہا:

"وزیر صاحب، کیا ہماری ریاست اتنی ہی کمزور ہو چکی ہے کہ
ہمارے سامنے ڈاکو ہمارے دوستوں کو ہلاک کر دیں۔ اُن کی کوٹھیوں
میں آگ لگائیں، ہمارے سپاہیوں کی وردیاں اُتاریں اور ہم اُن کا
مُنہ دیکھتے رہیں؟ اگر یہ بات ہے تو مَیں آج ہی اپنی گدی سلطانہ
ڈاکو کے حوالے کرتا ہُوں۔"

وزیر نے جُھک کر کہا:

"ایسی بات نہیں ہے راجہ صاحب، آپ اپنا جی چھوٹا کیوں
کرتے ہیں۔ آپ حکم کریں۔ مَیں سارے جنگل میں آگ لگا دیتا ہُوں۔"

راجہ نے زور سے زمین پر پاؤں مار کر کہا:

"جنگل میں آگ لگانے سے کیا ہوگا۔ آپ جنگل میں آگ لگائیں
گے اور سلطانہ ڈاکو دُوسرے جنگل میں جا کر چُھپ جائے گا۔ کیا آپ
ریاست کے سارے جنگل جلا کر راکھ کر دینا چاہتے ہیں۔ اصل بات
تو سلطانہ ڈاکو کو گرفتار کرنا ہے۔ اِس سلسلے میں انگریز حکومت کی

مدد بھی ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہم اُسے گرفتار کیوں نہیں کر سکتے؟"

وزیر نے سوچ کر کہا:

"مہاراج، سلطانہ ڈاکو کو ضلع کے عوام کی بھی حمایت حاصل
ہے۔"

راجہ نے چیخ کر کہا:

"کیا کہا؟"

وزیر جھٹ ہاتھ باندھ کر بولا:

"میرے کہنے کا مطلب یہ تھا حضور، کہ سلطانہ ڈاکو جہاں جاتا ہے
لوگ اُسے پناہ دیتے ہیں۔ کوئی اُس کی مُخبری نہیں کرتا۔ کوئی یہ نہیں
بتاتا کہ سلطانہ ڈاکو کہاں ہے اور کہاں سے ہو کر کدھر کو نکل گیا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ انگریز کی طاقت بھی اُسے آج تک گرفتار نہیں کر
سکی۔ ہمارے ضلع کے جنگل اِس قدر گُنجان ہیں کہ وہاں ڈاکوؤں
کو تلاش کرنا بے حد مُشکل کام ہے اور پھر......"

وزیر ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ راجہ نے کڑک کر کہا:

"وزیر صاحب، بہتر یہی ہے کہ آپ ابھی اِسی وقت اپنے عہدے
سے استعفیٰ دے دیں۔ اِس لیے کہ آپ ریاست کا امن وامان بحال
کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آپ نے سلطانہ ڈاکو کے آگے ہتھیار
ڈال دیے ہیں۔ جائیے یہاں سے، مَیں آپ کی شکل نہیں دیکھنا
چاہتا۔"

وزیر نے کپکپاتے ہاتھوں سے کہا :

"حضورؐ کا جان و مال سلامت ، اِس ناچیز سے غلطی ہوگئی۔ آپ حکم کریں۔ مَیں سلطانہ ڈاکو کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

یہ سُن کر راجہ کے چہرے پر خُوشی کے آثار آئے۔

"کیا تُم ایسا کر سکتے ہو؟"

وزیر نے چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا :

"آپ حکم کر کے دیکھیں۔"

"تو پھر ہمارا حکم ہے۔ سلطانہ ڈاکو کا سر ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

"جو حکم سرکار۔"

وزیر نے جُھک کر آداب کیا اور باہر نکل گیا۔ راجہ پریشانی کے عالم میں ٹہلتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ وزیر ایسا نہ کر سکے گا اور اُس نے محض اپنی وزارت بچانے کے لیے حامی بھری ہے۔ عین ممکن ہے کہ سلطانہ ڈاکو اُس کا سر کاٹ کر لے جائے۔ راجہ نے فوراً فوج کے سپہ سالار کو بُلایا۔ سپہ سالار نے آکر ادب سے سلام کیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

"سیناپتی جی ، آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ سلطانہ ڈاکو نے ساری ریاست میں اُدھم مچا رکھا ہے اور آج اُس نے ہمارے ریاستی

پولیس کے سپاہیوں کو ننگا اور بے عزّت کر کے ہماری طرف بھیج دیا۔ کیا آپ خاموش تماشائی بن کر یہ ذِلّت برداشت کرتے رہیں گے؟"

سپہ سالار نے کہا :

"مہاراج ، آپ حکم کریں۔ میری فوج شام ہونے سے پہلے پہلے سلطانہ ڈاکو کے سارے آدمیوں کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دے۔"

"تو پھر تم کس کا انتظار کر رہے ہو۔ جاؤ ، تمھیں میری طرف سے حکم ہے کہ سلطانہ ڈاکو کے سارے گروہ کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے دربار میں پیش کیا جائے۔"

"بہت بہتر حضورؐ۔"

سپہ سالار نے بھی وزیر کی طرح سر جُھکایا اور آداب بجا لاتا باہر نکل گیا۔ اب راجہ کو کچھ اطمینان ہُوا۔ اُسے اپنی فوج اور اپنے سپہ سالار پر بڑا مان تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وُہ سلطانہ ڈاکو کو ضرور گرفتار کر لے گا۔

دُوسری طرف سلطانہ ڈاکو کے مُخبروں نے بھی اطلاع کر دی کہ راجہ کا وزیر اُس کا سر کاٹ کر لے جانا چاہتا ہے اور سپہ سالار نے اپنی فوج کو اُس پر چڑھائی کا حکم دے دیا ہے۔ سلطانہ ڈاکو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اُن چُوہوں کی یہ ہمّت کہ شیروں کا سامنا کرنے کی جُرأت کریں۔

اُنہیں آنے دو۔ مَیں اُن کے آدمیوں کو پہلے سے زیادہ ذلیل کر کے بھیجوں گا۔"

اُسی رات سلطانہ ڈاکو نے اپنے ساتھی رحمت سے مشورہ کیا۔ سلطانہ ڈاکو کا خیال تھا کہ راجہ کی فوج کو راستے میں ہی برباد کر دیا جائے۔

رحمت نے کہا:

"خیال تو آپ کا بہت اچھا ہے، مگر مُصیبت یہ ہے کہ سارا راستہ مَیدانی ہے۔ ہم مَیدان میں ریاستی فوج کو شکست نہیں دے سکتے۔"

"وُہ کیوں کر؟"

"وُہ اِس طرح کہ اُن کے پاس انگریزی توپیں ہیں۔"

سلطانہ ڈاکو گہری سوچ میں کھو گیا۔ رحمت نے ٹھیک کہا تھا — ریاستی فوج کے پاس انگریزوں کی دی ہُوئی جدید توپیں تھیں جو بڑی آسانی سے سلطانہ کے آدمیوں کو اپنی گولہ باری سے ہلاک کر سکتی تھیں۔

سلطانہ نے کہا:

"اگر کِسی طرح ہم راجہ کی توپوں کو تباہ کر دیں تو فتح ہمارے قدم چُوم سکتی ہے۔"

"مگر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے سردار؟"

"یہی تو ہمیں سوچنا ہے۔"

رات بھر سلطانہ ڈاکو اور اُس کا ساتھی رحمت غور و فکر کرتے رہے۔

آخر اُنہوں نے ایک سکیم تیار کر لی۔ اِس سکیم کے مطابق سلطانہ ڈاکو نے اپنے جاسوس راجہ کے محل کی طرف روانہ کیے۔ اُن کے ذمّے یہ ڈیوٹی تھی کہ وُہ یہ معلوم کریں، راجہ کی فوج محل سے کس وقت روانہ ہو رہی ہے اور کس کس راستے سے ہو کر اُن کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دُوسری طرف اُس نے بارہ جانباز ڈاکوؤں کا ایک گروہ بنایا جو اُس کے حُکم پر اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتے تھے۔ اِس گروہ کا کام یہ تھا کہ وُہ راجہ کی فوج کے عقب میں جا کر رات کو چھاپہ ماریں اور فوج کی ساری توپوں کے بریچ نکال کر اُنہیں بیکار کر دیں۔

یہ دونوں ٹولیاں اپنے اپنے مشن کو روانہ ہو گئیں۔

جاسوس بھیس بدل کر راجہ کے محل کے پاس پُہنچ گئے۔ اُنہوں نے جاسوسی کرنے کے بعد سلطانہ ڈاکو کو آ کر اطلاع دی کہ راجہ کی فوج ہولی کے دو دن بعد حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ سلطانہ ڈاکو نے اُسی وقت حکم دیا کہ جنگل سے باہر نکل کر آدھ میل کے نِصف دائرے میں خندقیں کھود ڈالی جائیں۔ ہولی میں ابھی ایک ہفتہ باقی تھا۔ اِس ایک ہفتے کے اندر اندر سلطانہ کے آدمیوں نے مَیدان میں خندقیں کھود ڈالیں۔ ٹیلوں پر پکّے مورچے بنا لیے۔ دو ٹیلوں پر مشین گنیں بھی نصب کرا دیں۔ یہ مشین گنیں سلطانہ ڈاکو نے انگریزی فوج سے چھینی تھیں۔

ہولی کو دو دن گزر گئے تو راجہ کی فوج نے سلطانہ ڈاکو کو گرفتار کرنے کے لیے کُوچ بول دیا۔ فوج راتوں رات سفر کرتی ہُوئی آدھے راستے کو عبُور کر گئی۔ اگلی رات جنگل کے قریب پُہنچ کر اُس نے مورچے سنبھال لیے اور سپہ سالار کے حُکم کا انتظار کرنے لگی۔ یہ وقت تھا جب سلطانہ ڈاکو کے بارہ آدمیوں کے گروہ نے اپنا کام دکھایا اور اپنا فرض پُورا کیا۔

سلطانہ ڈاکو کو فوج کی تمام نقل و حرکت کا علم ہو گیا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فوج کی نفری کتنی ہے، توپیں کتنی ہیں اور رائفل بردار سواروں کی تعداد کتنی ہے۔ اُس نے بھی اپنے تمام ساتھیوں کو خندقوں کے اندر بٹھا دیا۔ ٹیلوں والی مشین گنوں کے بھی مورچے سنبھال لیے گئے تھے۔ سلطانہ ڈاکو نے اپنے چُنے ہُوئے بارہ کمانڈوز کو حُکم دیا:

"فوراً دُشمن کے عقب میں پُہنچو اور اُن کی توپوں کے برتیچ توڑ کر اُنہیں بے کار کر دو۔"

کمانڈوز ڈاکوؤں نے سر جُھکایا اور اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

یہ ڈاکو کسانوں کے بھیس میں تھے۔ وُہ فوج کے عقب میں پُہنچ گئے اور اُنھوں نے کھیتوں میں اِدھر اُدھر کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وُہ تو کاشتکار ہیں۔ اِتنے میں ایک ریاستی سپاہی اُس کی طرف آیا اور بڑے رُعب سے بولا:

"کیا نام ہے تمہارا؟"

ڈاکو نے مصنوعی طور پر ہاتھ باندھ کر کہا:

"گھمن حجوُر۔"

سپاہی نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر کہا:

"حرامی ہمارے لیے گھر سے مُرغیاں اور مکھن لاؤ۔ اُٹھو۔"

ڈاکو نے گڑگڑا کر کہا:

"حجور ہم غریب لوگ ہیں۔"

سپاہی گرج کر کہنے لگا:

"غریب ہو تو ہم کیا کریں۔ اُٹھو، اور ابھی جا کر گھر سے ہمارے لیے تازہ مکھن اور مُرغیاں لاؤ۔ اگر تم نہ لائے تو ہم تمہارے دُوسرے بھائیوں کو جو کھیتوں میں کام کر رہے ہیں قتل کر دیں گے۔"

ڈاکو بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ اگر وُہ جاتا ہے اور مکھن مُرغیاں نہیں لاتا تو سپاہی اُس کے ساتھیوں کو واقعی ہلاک کر سکتا تھا—کیوں کہ ریاست کی فوج اُسی جگہ ڈیرہ ڈالے ہُوئے تھی—اور اگر وُہ نہیں جاتا تو پھر بھی وُہ لوگ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ڈاکو نے اپنے ساتھی کی آنکھوں میں گھُور کر دیکھا۔ اب وُہ دونوں ڈاکو سے ٹھگ بن گئے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اُنہوں نے ایک دُوسرے سے بات کی۔ پہلے ڈاکو نے کہا:

"حجوُر مائی باپ ہیں۔ اگر حجور مجبور کرتے ہیں تو میرے پاس

اپنے آدمیوں کے لیے آدھ سیر مکھن اور دو بھُنی ہُوئی مُرغیاں ہیں۔ وُہ
مَیں حجور کی خدمت میں پیش کر دیتا ہُوں۔"

ریاستی بھُوکے سپاہی کے مُنہ میں پانی آ گیا۔

"لاؤ، وہی لاؤ۔ کہاں ہے یہ سب کچھ؟"

ڈاکو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا:

"حجور، اُس طرف کماد کے کھیت کے پیچھے رکھا ہے۔"

"چلو میرے ساتھ۔"

سپاہی ڈاکو کے پیچھے پیچھے کماد کے کھیتوں کی طرف چل پڑا۔
اُس سپاہی کو کوئی علم نہیں تھا کہ اُس کے پیچھے پیچھے بھی ایک
ڈاکو کسان کے بھیس میں ہاتھ میں رومال لیے چلا آ رہا ہے مگر اُس
نے درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ قائم کر رکھا تھا۔ کماد کے کھیتوں
کے پاس جا کر پہلا ڈاکو بولا:

"حجور، آپ یہاں بیٹھ کر آرام کریں۔ مَیں آپ کے لیے
مکھن اور مُرغی لاتا ہُوں۔ مَیں نے کماد کے کھیت کے اندر ایک جگہ
چھپا کر رکھی ہے۔"

سپاہی نے کہا:

"جلدی لاؤ، مجھے بڑی بھُوک لگی ہے۔"

پہلا ڈاکو کماد کے کھیت کے اندر داخل ہو گیا اور دُوسرا
ڈاکو سپاہی کے عقب میں نمودار ہُوا۔ وُہ بڑی احتیاط سے قدم

قدم چلتا ہُوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سپاہی اُس سے بے خبر مکھن اور
بھُنی ہُوئی مُرغی کے خیال میں مگن بیٹھا ہُوا تھا۔ ڈاکو اُس کے بالکل
پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا:

"سلام حضور۔"

سپاہی نے ابھی گردن پیچھے گھمائی ہی تھی کہ ڈاکو نے رومال اُس
کے گلے میں ڈال کر ایک زور دار جھٹکا دیا اور سپاہی کی گردن کا
منکا ٹوٹ گیا اور وُہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

٭٭٭٭٭

خوف ناک فیصلہ

•

اِسے جلدی سے گڑھا کھود کر دبا دینا چاہیے۔ اگر کوئی دُوسرا سپاہی اِدھر آنکلا تو مُصیبت آجائے گی۔"

دونوں ڈاکوؤں نے مِل کر کھیت میں ایک جگہ گڑھا کھودا اور ریاستی سپاہی کو جو بھُنی ہُوئی مُرغی اور مکھّن کے لالچ میں وہاں آیا تھا، زمین کے اندر دبا دیا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر دونوں ڈاکو واپس کھیت میں آکر اپنے دُوسرے ڈاکوؤں سے ملے جو کسانوں کے بھیس میں اِدھر اُدھر کھیت میں کام کر رہے تھے۔ اُنھوں نے اشاروں ہی اشاروں میں اُنھیں بتایا کہ دُشمن کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔ اب وُہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اِس اثنا میں ایک ڈاکو نے پانی پلانے والے بہشتی کا رُوپ بدلا اور فوج کے اُس حِصّے کی طرف نکل گیا جدھر توپیں نصب تھیں۔ یہاں فوج کا بہت پہرہ تھا۔ مگر آخر وُہ ریاست کی فوج تھی۔ جو اکثر بھُوکی رہتی تھی۔ ڈاکو نے توپچیوں کو پانی پلایا اور اُن کے پاس بیٹھ کر سلطانہ ڈاکو کی بُرائیاں کرنی شرُوع کر دیں۔

"حجوُر، ہم نے تو خُدا کا شُکر ادا کیا کہ آپ لوگ آگئے؛ ورنہ

سلطانہ ڈاکو نے تو ہمارا ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ اُس نے تو میرے بڑے لڑکے کو قتل کر دیا۔ میرے گھر کو آگ لگا دی۔ وُہ مجھے کہیں مِل جائے تو مَیں اُسے کچّا ہی چبا جاؤں۔"

ایک سپاہی نے کہا:

"فکر نہ کرو بابا، ہم سلطانہ ڈاکو سے سب کا بدلہ لیں گے۔"

دِل میں ڈاکو نے سوچا، تُم کیا تمھارا باپ بھی سلطانہ ڈاکو کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مگر اُوپر سے بولا:

"حجوُر، آپ تو بڑے بہادر ہیں۔ رعایا تو آپ کے جان و مال کو دُعائیں دے رہی ہے۔ ابھی آج ہی گاؤں میں آپ لوگوں کی بڑی تعریف ہو رہی تھی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ بس اب ریاستی فوج آگئی ہے، اب سلطانہ ڈاکو کی خیر نہیں۔"

دُوسرے سپاہی نے اپنی کمزور چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا:

"ہم سلطانہ ڈاکو کا سر کاٹ کر ساتھ لے جائیں گے۔ ہم وُہ سَر راجہ کے دربار میں پیش کریں گے۔"

ڈاکو نے اُس کمزور گردن والے سپاہی کو دیکھا اور دل میں سوچا یہ شخص رومال کا ایک جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکتا اور باتیں سلطانہ ڈاکو کا سَر کاٹنے کی کر رہا ہے۔

"کیوں نہیں حجوُر، یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ کے آنے کی خبر سُن کر تو سلطانہ ڈاکو اب تک جنگل سے بھاگ بھی گیا ہوگا۔"

تیسرا سپاہی بولا :
"اگر وُہ بھاگ گیا تو ہمیں افسوس ہوگا۔ کیوں کہ ہم تو اُس کا سُر کاٹنا چاہتے ہیں"
ڈاکو نے کہا :
"اجی وُہ بھاگ کر کہاں جائے گا بھلا— پانی اور دوں سرکار؟"
"لاؤ بابا، اور پلا دو پانی"
ڈاکو نے باری باری سارے توپچیوں کو پانی پلایا۔ اُن میں سے کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ڈاکو نے پانی میں ایک ایسی دوائی ملا رکھی ہے جو تھوڑی ہی دیر بعد اُنھیں بے ہوش کر دے گی اور ہُوا بھی یہی— ابھی وہ پانی پینے کے بعد توپوں کے پاس بیٹھے آپس میں باتیں ہی کر رہے تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی اور وُہ ایک دُوسرے کو خاموش نگاہوں سے دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہوگئے۔ اُنھیں ایک دوسرے کی کوئی خبر نہ رہی۔ ڈاکو اِسی وقت کا انتظار کر رہے تھے۔
ایک ڈاکو نے اُلّو کی بولی بول کر باقی گیارہ ڈاکوؤں کو خبردار کر دیا۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ اُلّو کی آواز سُنتے ہی باقی ڈاکو اردگرد کی جھاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ سارے کے سارے توپچی بے ہوش زمین پر پڑے تھے۔
"کیا خیال ہے ؟"

"بڑا اچھا خیال ہے"
"شریف کو بُلا لو"
"شریف آ گیا ہے ؟"
"دربار لگ گیا ہے ؟"
"دربار کب کا لگ چُکا"
"اجازت ہے ؟"
"اجازت ہے"
یہ اُن ڈاکوؤں کے آپس کے اشارے تھے۔ جب کبھی وُہ ایک سے زیادہ آدمیوں کو رومال سے ہلاک کرنے لگتے تو ایسا کرنے سے پہلے اِسی قسم کی باتیں کرکے ایک دُوسرے سے اجازت ضرور لیتے تھے۔ اِن جُملوں کو ادا کرنے کے ساتھ ہی گیارہ ڈاکوؤں نے جیب سے رومال نکال کر اُنھیں مروڑے دیے اور بڑی خاموشی سے بے ہوش سپاہیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر اُنھوں نے ایک ایک کرکے سب کی گردنوں میں رومال ڈال کر تھوڑے تھوڑے جھٹکے دیے اور سب کو ہلاک کر دیا۔
"اب توپوں کی طرف آؤ"
وُہ توپوں کو ناکارہ کرنے کے بڑے ماہر تھے اور سلطانہ ڈاکو کو ان لوگوں کی کارکردگی اور بہادری پر بڑا بھروسہ تھا۔ وُہ لپک کر توپوں کی طرف بڑھے۔ بڑی بڑی توپیں لوہے کے پہیوں کے اُوپر رکھی

تھیں اور اُن سب کا مُنہ اُس جنگل کی طرف تھا جدھر سلطانہ ڈاکو کا گروہ مورچہ سنبھالے بیٹھا تھا۔ ڈاکوؤں نے کوئی دس پندرہ منٹ کے اندر اندر ساری توپوں کے بریچ توڑ کر اُنھیں بالکل ناکارہ بنا دیا۔ اب وُہ توپیں چل نہیں سکتی تھیں۔ جب تک کہ کارخانے میں جا کر بریچوں کو دوبارہ ڈھال کر اُن میں فِٹ نہ کیا جاتا اور میدان جنگ میں ایسا ناممکن تھا جب کہ صبح فوج کے سپاہی حملہ کرنے والے تھے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر بارہ ڈاکو پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ باقی ساری فوج سو رہی تھی۔ صرف پہرے دار جاگ رہے تھے اور چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔

ڈاکو جنوب مغرب کا چکر کاٹ کر راتوں رات سلطانہ ڈاکو کے پاس پُہنچ گئے اور اُنھوں نے اپنی کامیابی کی رپورٹ دی۔ سلطانہ ڈاکو بہت خوش ہُوا۔ اُس نے ڈاکوؤں کو شاباش دی اور انعام دیا۔

"شاباش میرے بہادرو، مجھے تم سے یہی اُمّید تھی"۔

اگلے روز دن چڑھا تو ریاستی فوج کے سپاہی توپچیوں کی لاشیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سپہ سالار نے غُصّے میں کہا:

"پہریدار کہاں مر گئے تھے۔ دُشمن نے آ کر ہمارے توپچیوں کو ہلاک کر دیا اور تم لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہُوئی"۔

پہرے دار بھی دنگ تھے کہ یہ کیوں کر ہو گیا۔ کوئی سپاہی بھی

گواہی دینے کے لیے زندہ نہ تھا کہ اُنھیں ایک آدمی پانی پلا گیا تھا۔ سپاہیوں کی لاشوں کو واپس بھجوا دیا گیا۔ اب حملے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اِس دوران میں کسی نے بھی یہ نہ دیکھا کہ توپوں کی حالت کیسی ہے! کہیں ان کے بریچ ٹوٹے ہُوئے تو نہیں ہیں؟

سپہ سالار نے تقریر کی:

"سپاہیو! تم لوگ راجہ کے سپاہی ہو۔ تُم راجہ کے حُکم سے ظالم ڈاکو کا مقابلہ کرکے اُسے شکست دے کر اور اُس کا سرکاٹ کر لے جانے کے لیے یہاں آئے ہو۔ مجھے اُمّید ہے کہ تم بہادری سے لڑو گے اور دُشمن پر فتح حاصل کرو گے۔

یاد رکھو، تُم ایک باقاعدہ فوج کے سپاہی ہو اور دُشمن محض ایک ڈاکو ہے۔ تمہارے پاس توپیں ہیں جبکہ دُشمن کے پاس سوائے بندوقوں کے اور کُچھ نہیں — آگے بڑھو اور دُشمن پر حملہ کردو"۔

اِس اعلان کے ساتھ ہی ڈاکوؤں پر حملہ کر دیا گیا۔

سپاہیوں نے جنگل کی طرف اندھا دُھند فائرنگ شروع کر دی۔ ڈاکو اس کا پہلے ہی سے انتظار کر رہے تھے۔ اُنھوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ چونکہ وُہ خندقوں میں چھپے ہُوئے تھے اِس لیے اُن کا نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ سپاہی درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں تھے اِس لیے

وُہ ایک ایک کرکے گرنے لگے۔

سپہ سالار نے حُکم دیا:

"توپوں سے حملہ شروع کیا جائے۔"

فوراً ہی توپچیوں نے توپوں میں بارُود بھرا اور برتیچ کھول کر انہیں آگ دکھانے لگے تو معلوم ہُوا کہ وہاں برتیچ ہی نہیں ہیں۔ توپچیوں کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ وُہ ایک دُوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ اب اگر برتیچ کے بغیر وُہ بارُود کو آگ دکھاتے ہیں تو توپوں کے پھٹ جانے کا خطرہ ہے۔ دُوسری طرف سپہ سالار بڑا پریشان ہو رہا تھا کہ آخر توپوں سے گولے ابھی تک فائر کیوں نہیں ہُوئے۔ اُس نے توپوں کے پاس آکر چیخ کر کہا:

"توپیں کیوں نہیں چلا رہے؟"

"سرکار، توپوں کے برتیچ ٹوٹ چُکے ہیں۔"

"کیا کہا؟ یہ کس کی شرارت ہے؟ اب کیا ہوگا؟"

"سرکار، دُشمن نے جاسوسی کی ہے۔ دُشمن ہمارے آدمیوں کو ہلاک کرکے توپوں کو ناکارہ کر گیا ہے۔"

"تم بارُود کو آگ دِکھا دو۔"

"حضُور، توپیں پھَٹ جائیں گی۔"

"جو کچھ بھی ہو۔ فوراً توپوں کو آگ دکھاؤ۔" سپہ سالار نے کڑک کر حُکم دیا۔

اب سپاہی عجیب مُصیبت میں پھنس گئے۔ حُکم نہیں مانتے تو قید کر دیے جاتے ہیں۔ حُکم مانتے ہیں تو توپیں پھٹ جاتی ہیں۔ سپہ سالار سر پر کھڑا بار بار بارُود کو آگ دکھانے کا حُکم دے رہا تھا۔

"توپوں کو آگ دکھاؤ، نہیں تو مَیں تُم سب کو گولی مار دوں گا۔"

مجبُور ہو کر توپچیوں نے توپوں کو آگ دِکھا دی۔ بارُود کو آگ لگنے کی دیر تھی کہ کئی دھماکوں کا ایک زور دار دھماکہ ہُوا اور اُس کے بعد جو دیکھا گیا تو ساری کی ساری توپوں کے پرخچے اُڑ گئے تھے اور اُس کے ساتھ ہی توپچی بھی ہلاک ہو چُکے تھے۔ اُدھر سلطانہ ڈاکو نے جب توپوں کے دھماکے کی آواز سُنی اور گولے اپنی طرف گِرتے نہ دیکھے تو وُہ سمجھ گیا کہ توپیں پھَٹ گئی ہیں۔

اُس نے فوراً حُکم دیا کہ خندقوں سے نِکل کر دُشمن پر ہلّہ بول دیا جائے۔ عقب سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ فائرنگ کرتا ہُوا فوج پر حملہ آور ہو گیا۔ ٹیلے سے برین گنوں کی فائرنگ شروع ہو گئی۔ دائیں بائیں سے ڈاکوؤں نے سپاہیوں پر دستی بم پھینکنے شروع کر دیے۔ میدان میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ریاست کی فوج کے حوصلے توپوں کے پھٹ جانے کے ساتھ ہی پَست ہو چُکے تھے۔ اب جو اُنہوں نے چاروں طرف سے ڈاکوؤں کی یلغار، گولیوں اور دستی بموں کی بارش ہوتی دیکھی تو بھاگنے کے لیے راستہ تلاش کرنے لگے۔ سپہ سالار بھی پران چھوڑ بیٹھا تھا۔

بڑی مشکل سے انہیں ایک طرف تھوڑا سا شگاف نظر آیا اور ریاستی سپاہیوں نے اُس طرف سے اندھا دُھند بھاگنا شروع کر دیا۔ سلطانہ ڈاکو کے ساتھیوں نے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اُن کا پیچھا کیا اور گولیاں مار مار کر اُن کو ہلاک کر دیا۔ یہ ساری جنگ دوپہر ہونے سے پہلے پہلے ختم ہو چکی تھی۔ میدان صاف ہوا تو سلطانہ ڈاکو نے دیکھا کہ جگہ جگہ ریاستی سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس نے اپنے گروہ کو اکٹھا کیا اور کہا:

"اب جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے کوچ کر کے نجیب آباد کے پہاڑی علاقے میں نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ فوج کی عبرت ناک شکست کے بعد راجہ ضرور انگریزی فوج کی کمک لے کر ہمارے تعاقب میں آئے گا۔ ہم انگریزی فوج کا مقابلہ طاقت سے نہیں بلکہ ہوشیاری اور دانشمندی سے کر سکتے ہیں اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم نجیب آباد کے پہاڑی جنگلوں میں روپوش ہو جائیں جہاں انگریز ساری زندگی بھی بمباری کرتے رہیں تو ہماری گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔"

ڈاکوؤں نے مرے ہوئے فوجیوں کی ساری بندوقیں اکٹھی کر لیں اور گھوڑے دوڑاتے، جنگل جنگل گزرتے نجیب آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

سپہ سالار جب شکست خوردہ حالت میں راجہ کے پاس پہنچا تو راجہ کی جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ غصے، غم اور ندامت سے اُس کا رنگ کبھی زرد ہو جاتا اور کبھی سُرخ۔ سلطانہ ڈاکو نے اُسے انتہائی ذلیل شکست دی تھی۔ اُس نے سپہ سالار کو قید خانے میں بند کر دیا اور فوراً دوسرے ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر میگارٹن صاحب کے پاس مدد کے لیے آدمی دوڑایا۔

میگارٹن صاحب اپنے دفتر میں بیٹھے کام کر رہے تھے۔ نوکر چھت کا پنکھا کھینچ رہا تھا۔ اتنے میں راجہ کے ایلچی نے آکر دست بستہ عرض کی:

"سرکار، سلطانہ ڈاکو نے راجہ کی فوج کو شکست دے دی ہے۔ راجہ صاحب نے پیغام بھجوایا ہے کہ میری مدد کی جائے تاکہ میں سلطانہ ڈاکو سے اپنی شکست کا بدلہ لے سکوں اور سلطانہ ڈاکو کا سر کاٹ کر انگریز بہادر کی خدمت میں پیش کر سکوں۔"

میگارٹن صاحب نے پوچھا:

"ویل، ٹھاکر جی۔ راجہ صاحب ہم سے کس قسم کی مدد مانگتا؟"

ٹھاکر جی نے کہا:

"سرکار راجہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ اپنی فوج کے ایک دستے کو حکم دیں کہ وہ ریاست کی فوج کے دستوں کے ساتھ مل کر سلطانہ ڈاکو سے لڑائی کرے۔"

میگارٹن کہنے لگا :

"راجہ صاحب کا کھیال ٹھیک ہے، پر راجہ صاحب سے بولو کہ سلطانہ ڈاکو کے واسطے ریوارڈ سرکار نے رکھا ۔ اُسے گرفتار کرنے کو پولیس چلا گیا ۔ اب ہمیں کیا جرورت پڑی ہے کہ سرکاری اجازت کے بغیر ہم اپنی فوج کو تمھاری سیٹ میں روانہ کریں "

ٹھاکر جی نے معاملہ الٹتا دیکھا تو جھٹ کہا :

"حضور سلطانہ ڈاکو نے ریاست کے کئی ایک انگریز لوگوں کو بھی ہلاک کر ڈالا ہے "

میگارٹن سگار سُلگا کر ذرا مُسکرا کر بولا :

"ویل ٹھاکر بہادر، تم ہم کو فول نہیں بنا سکتا ۔ ہم کو مالوم ہے کہ تم لوگ کی ریاست میں ہمارا کوئی انگریز نہیں ہے ۔ راجہ سے جا کر بولو کہ ہم سرکار کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا ۔ سلطانہ ڈاکو کو سرکاری پولیس ایک روز اپنے آپ گرفتار کرے گی ۔ اب تم جا سکتے ہو "

ٹھاکر جی اپنا سا مُنہ لے کر راجہ کے پاس پُہنچ گیا ۔ راجہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ مگر وہ سوائے اندر ہی اندر کھولنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا ۔ سلطانہ ڈاکو کو وُہ ہر حالت میں گرفتار کر کے اپنے ہاتھوں قتل کرنا چاہتا تھا ۔ اُس نے راجہ کی فوج کو شکست دے کر ساری ریاست میں انتہائی ذلیل کر دیا تھا ۔ مگر راجہ

کو معلوم نہیں تھا کہ اُس کی بدنصیبی اور ذِلّت کا دَور شروع ہو چُکا ہے ۔ اگر وُہ اُسی وقت سلطانہ ڈاکو کی دُشمنی سے ہاتھ اُٹھا لیتا تو اُس کے حق میں اچھا ہوتا ۔ مگر اُس نے بجائے معاملہ رفع دفع کرنے کے سلطانہ ڈاکو سے انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اُدھر سلطانہ کو بھی راجہ کے عزائم کا عِلم ہُوا تو اُس نے بھی ایک نہایت خوف ناک فیصلہ کر لیا ۔ اُس نے رحمت سے کہا :

"مَیں راجہ کو ایسا سبق سِکھانا چاہتا ہُوں، کہ پھر وُہ ساری زندگی سلطانہ کا نام زبان پر نہ لا سکے گا "

✻ ✻ ✻ ✻ ✻

راجکماری کا اغوا

•

سلطانہ ڈاکو نے جب اپنے ساتھی رحمت کو اپنے خوفناک فیصلے سے آگاہ کیا تو وُہ اپنے سردار کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھ کر بولا :

"اِتنا اچھا خیال سلطانہ ڈاکو کے دماغ میں ہی آسکتا تھا !"

سلطانہ ڈاکو نے مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہُوئے کہا :

" مَیں راجہ سے انتقام نہیں لینا چاہتا ۔ کیونکہ میری راجہ سے کوئی دُشمنی نہیں ہے ۔ سوائے اِس کے کہ وُہ اپنی رعایا پر ظُلم کرتا ہے ۔ مَیں راجہ کو صرف یہ بتا دینا چاہتا ہُوں کہ وُہ سلطانہ ڈاکو سے مقابلہ کرنے کا خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دے ۔ کیونکہ سلطانہ غریبوں کا ہمدرد ہے اور گھٹیا ۔ انسان نہیں ہے بلکہ راجہ سے زیادہ بلند کردار کا انسان ہے ۔"

سلطانہ ڈاکو کا خوفناک فیصلہ یہ تھا کہ راجہ کی بیٹی راجکماری شکنتلا کو اغوا کر لیا جائے اور جب تک راجہ سلطانہ ڈاکو کو تحریری طور پر لکھ کر یہ پرچہ نہ دے کہ وُہ آئندہ سے اپنی رعایا سے چُولہا ٹیکس ، آگ ٹیکس اور بجری ٹیکس نہیں لے گا ، راجکماری کو رہا نہ کیا جائے ۔ راجہ سے یہ بھی لکھوایا جائے کہ وُہ آج کے بعد کبھی سلطانہ ڈاکو کے مقابلے کے لیے اپنی فوج نہیں بھیجے گا ۔

رحمت ڈاکو نے کہا :

" اگرچہ محل کے سنگین پہرے سے راج کماری کو اغوا کر کے لانا ایک کٹھن کام ہے لیکن اِس کام کو میں سرانجام دُوں گا ۔"

" شاباش ، میرے دوست ! مجھے تم سے یہی اُمید تھی ۔ تمہیں جس قسم کی مدد کی ضرورت ہے وُہ لے لو ۔ تمہیں جو چاہیے اپنے ساتھ رکھ لو ۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ راجکماری کو ایک مہینے کے اندر اندر اغوا کر کے نجیب آباد کے اِس جنگل میں لایا جائے ۔"

" ایسا ہی ہوگا سردار ، فکر نہ کرو ۔"

رحمت ڈاکو نے اپنی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اُس نے ایک ہندو جوگی کا بھیس بدلا اور اکیلا ہی گیروے کپڑے پہن ، گلے میں جھولا ڈال راجہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا ۔ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد وہ راجہ کے محل کے پاس پہنچ گیا ۔ اس نے لوگوں سے جلد ہی یہ معلوم کر لیا کہ محل کی رانیاں اور راجکماری کس مندر میں جا کر پُوجا پاٹھ کرتی ہیں ۔ رحمت ڈاکو جوگی کے بھیس میں اُس مندر کے راستے میں ایک درخت کے نیچے دُھونی رُما کر بیٹھ گیا ۔

ہندو عورتیں بڑے کمزور عقیدے کی ہوتی ہیں اور وُہ ہر جوگی کی ٹہل سیوا شروع کر دیتی ہیں ؛ چنانچہ رحمت ڈاکو کے ساتھ بھی یہی ہُوا ۔

مندر جاتے ہوئے لوگوں نے اُس کی خدمت شروع کر دی۔ کوئی اُسے مٹھائی دے جاتا، کوئی پھُول رکھ جاتا۔ کوئی ماتھا ٹیک کر کچھ چاندی کے سکّے پاؤں کے پاس رکھ جاتا۔ مگر رحمت ڈاکو کسی شئے کو ہاتھ نہ لگاتا۔ وُہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق کام کر رہا تھا۔ وُہ ریاست میں اپنی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ محل کی رانیاں اور راجکماری شکنتلا پالکی میں سوار ہو کر صبح و شام رحمت ڈاکو کے سامنے سے مندر کو جاتیں، لیکن اُس نے کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی اُن کی طرف نہ دیکھا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر ساری ریاست میں اُس کی شہرت پھیل گئی کہ ایک جوگی مندر کے راستے میں بڑ کے پیڑ تلے آ کر بیٹھا ہے جو نہ کچھ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ کسی سے کوئی خیرات قبول کرتا ہے۔ زبان سے جو کہتا ہے وُہی ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ رحمت ڈاکو بے حد قیافہ شناس تھا۔ وُہ آدمی یا عورت کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ جاتا کہ یہ کس ضرورت کے ساتھ اُس کے پاس آیا ہے: چناں چہ وُہ جھٹ اُس کی ضرورت بیان کر دیتا۔

"بہن، تُو دُکھی ہے۔ بہت دُکھی ہے"

اب دُکھی تو ہر کوئی تھوڑا بہت ہوتا ہے۔ پھر وہ کہتا:

"تیرا روگ بڑا پُرانا ہے۔ تُو جس چیز کی تلاش میں ہے وُہ تجھے کبھی نہیں ملا۔ جوگی کہتا ہے کہ تُو اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا"

باقی جہاں تک کھانے پینے کا تعلق ہے۔ رحمت ڈاکو رات کے اندھیرے میں جب سب لوگ چلے جاتے تو لوگوں سے چھُپ کر پیٹ بھر کر پھل وغیرہ کھا لیتا تھا

رحمت ڈاکو اب چوبیس گھنٹے یہی سوچتا رہتا کہ وُہ راجکماری تک رسائی کیسے حاصل کرے۔ ایک روز اُس کی یہ اُمیّد بھی اپنے آپ پُوری ہوگئی۔ دوپہر کے وقت وُہ دُھونی رُمائے اکیلا بیٹھا تھا کہ ایک بوڑھی عورت نے اُس کے قریب آ کر اُس کے پاؤں کو چھُو کر ہاتھ باندھے اور چپکے سے ایک طرف لگ کر بیٹھ گئی۔ رحمت ڈاکو نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اُس نے اُسے ایک فضول اور بے کار بوڑھی عورت سمجھا۔ مگر اُسے نہیں معلوم تھا کہ وُہ راجکماری کی خاص الخاص نوکرانی ہے اور اپنے بیمار شوہر کے لیے دُعا کرانے آئی ہے۔ رحمت ڈاکو نے بے زاری سے پُوچھا:

"مائی تُو کیا لینے آئی ہے، ہم جوگیوں کے پاس؟"

عورت نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"جوگی مہاراج، میرا پتی بہت بیمار ہے، کوئی ایسی دُعا کریں کہ وہ تندرست ہو جائے"

رحمت ڈاکو نے اب بھی بے زاری سے پُوچھا:

"مائی، تو کہاں رہتی ہے؟"

"جی راجہ کے محل میں"

رحمت ڈاکو کی ایک دم آنکھیں کھُل گئیں۔ اُس کی اندھیری دُنیا
میں روشنی کی کرن چمک اُٹھی۔ وُہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے مسکرا
کر کہا:

"مائی، تیرے پتی کا علاج میرے پاس ہے۔"

"جُگ جُگ جیئو جوگی مہاراج، بھگوان آپ کو سدا سُکھی رکھے۔
وُہ کیا علاج ہے گورو دیو؟"

"یہ کل بتاؤں گا مائی!"

عورت چلی گئی تو رحمت اُس عورت کے خاوند کی بیماری کے
بارے میں سوچنے لگا۔ وُہ تو ڈاکو تھا۔ اُسے بھلا کیا معلوم تھا کہ
کون سی دوا کون سے بیمار کو دی جاتی ہے۔ مائی نے اتنا ضرور کہا
تھا کہ اُس کے خاوند کو رات کو نیند نہیں آتی۔ رحمت ڈاکو کے
ارد گرد بھنگ کی بے شمار جھاڑیاں اُگی ہُوئی تھیں۔ اُسے معلوم تھا
کہ بھنگ پینے سے انسان پر نشہ چڑھ جاتا ہے۔ اُس نے رات کو
بھنگ کے کچھ پتے توڑ کر اُنہیں کُچلا اور اُن میں سے جو پانی نکلا وُہ
ایک شیشی میں ڈال کر رکھ لیا۔ صبح جب عورت اُس کے پاس آئی،
تو اُس نے وُہ شیشی اُسے دے کر کہا:

"مائی، رات کو سونے سے پہلے اس دوائی کے چھ سات قطرے
پانی میں ڈال کر اپنے خاوند کو پلا دیا کرو۔ پھر دیکھو کہ وُہ ساری
رات سوتا رہے گا۔"

"بھگوان آپ کا بھلا کرے جوگی بابا!"

عورت دوائی لے گئی۔ اگلے روز وُہ آئی تو بے حد خُوش تھی۔
اُس نے بتایا کہ اس کا پتی دوائی پی کر ساری رات خراٹے لیتا رہا
ہے۔ اب عورت ہر روز رحمت ڈاکو کے پاس آتی اور اُس کو پھل
اور مٹھائی دے کر چلی جاتی۔ رحمت ڈاکو نے باتوں ہی باتوں میں اُس
عورت سے محل کے اندر کے سارے راز معلوم کر لیے۔ اُس نے
یہ بھی معلوم کر لیا کہ راجکماری ریاست جے پُور کے راجکمار سے
محبت کرتی ہے اور اُس سے شادی کرنا چاہتی ہے جب کہ اُس
کا باپ اُس کی شادی اپنے بڑے بھائی کے بیٹے سے کرنا چاہتا
ہے۔

رحمت ڈاکو کا مقصد حل ہو گیا تھا۔

اب وہ راجکماری کی سواری کا انتظار کرنے لگا۔ ایک روز جب
اُس نے دُور سے راجکماری کی پالکی مندر کی طرف جاتے دیکھی تو
اُس کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔ سواری قریب آ گئی مگر رحمت ڈاکو اپنی
جگہ سے نہ ہلا۔ سپاہیوں نے اُسے گھسیٹ کر سڑک سے دُور لے جانا
چاہا تو اُس نے بلند آواز میں کہا:

"جے پور کا چاند ڈوب جائے گا راجکماری!"

پالکی کے اندر بیٹھی ہُوئی راجکماری کا دل دھڑک اُٹھا۔ جوگی نے
تو اُس کے دل کی بات کہی تھی۔ اُس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا

کہ جوگی بابا کو اُس کے پاس لایا جائے ۔ رحمت ڈاکو نے پھر بلند آواز سے کہا :

" جوگی کسی کے پاس نہیں جاتے "

اِتنا کہہ کر وُہ سڑک سے اُترا اور اپنے پُرانے بڑ کے درخت تلے آکر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وُہ چوری چوری آنکھ سے یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ راجکماری اُس کے پاس آتی بھی ہے یا نہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ راجکماری اُس کے پاس نہ آتی ۔تیر تو بالکل ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ راجکماری پالکی سے اُتری اور رحمت ڈاکو کے پاس آکر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

" جوگی مہاراج کے چرنوں میں ریاست کی راجکماری حاضر ہے "

" بیٹھ جاؤ "

راجکماری فوراً گھاس پر بیٹھ گئی ۔ رحمت ڈاکو نے کڑک کر کہا :

" ان سپاہیوں کو یہاں سے دفعان کر دو "

راجکماری نے اُسی وقت سپاہیوں کو حکم دیا کہ وُہ وہاں سے ہٹ جائیں ۔ سپاہی سر جُھکا کر وہاں سے چلے گئے ۔ اب رحمت ڈاکو نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں اور مُسکرا کر بولا :

" ارے پگلی تیرا چاند تو جے پُور کے آسمان پر چمک رہا ہے ۔ تجھے یہاں کیا مِلے گا ؟ "

یہ وار اِس قدر کاری تھا کہ راجکماری تڑپ کر رہ گئی ۔اُس کی

جے پُور کے راجکمار سے محبت اور شادی کرنے کی خواہش ایک ایسا راز تھا جو ایک جوگی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا ۔ پس اگر اِس جوگی کو معلوم تھا کہ یہ دِلوں کے بھید جانتا ہے اور بڑا کرنی والا جوگی ہے ۔ راجکماری نے ہاتھ باندھ کر عرض کی :

" مہاراج ، آپ تو دلوں کا بھید جانتے ہیں ۔ مجھے بتایئے کہ کیا میری شادی میری مرضی کے مطابق جے پور کے راج کمار سے ہو سکے گی ؟ "

رحمت ڈاکو نے بڑی پُراسرار آواز بنا کر کہا :

" اِس کے لیے تجھے ریاضت کرنی پڑے گی تپسیا کرنی ہوگی ۔ کیا تُم اِس کے لیے تیار ہو ؟ "

راج کماری نے جلدی سے کہا :

" مَیں تیار ہُوں مہاراج ، مگر یہ بتائیں کہ کیا میرے گھر والے اِس شادی پر راضی ہو جائیں گے ؟ میرا راجہ باپ میری شادی وہاں نہیں کرنا چاہتا "

" تم فکر نہ کرو راجکماری ۔ اگر تُم نے ہمارے کہے پر عمل کیا تو تمہارے راجہ باپ کی جُرأت نہ ہوگی کہ انکار کر سکے "

" میں آپ کے ہر حُکم کی تعمیل کروں گی مہاراج ، آپ مجھے حُکم دیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا ؟ "

" ریاضت بڑی مُشکل ہو گی ، کیا تُم کر لوگی ؟ "

"میں ہر مشکل کام کروں گی مہاراج، آپ حکم کریں۔"

رحمت ڈاکو نے چوری آنکھ سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ وہاں کوئی درباری موجود تو نہیں۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں وہاں اکیلے ہیں تو اُس نے ایک ہاتھ بلند کر کے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا:

"راج کماری سُن، اگر تو چاہتی ہے کہ دیوتا تیرا بیاہ جے پور کے راج کمار سے کرنے پر راضی ہو جائیں تو تجھے آج رات جب سب لوگ سو جائیں تو کالے گھوڑے پر سوار ہو کر بائیں ہاتھ میں موتیے کے پھولوں کا ہار لے کر ہمارے پاس آنا ہوگا۔ ہم تمہارے لیے آج دیوتاؤں کی خاص عبادت کریں گے۔ جب تم رات کو یہاں آؤ گی تو دیوتا موجود ہوں گے۔ اُن کے سامنے تمہاری بات پکی ہو جائے گی۔ کیا تمہیں منظور ہے راجکماری؟"

راج کماری اندھی ہو رہی تھی۔ اُس نے فوراً کہا:

"مجھے منظور ہے مہاراج۔"

"مگر یاد رکھو، تمہارے یہاں آنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اگر کسی کو پتا چل گیا تو دیوتا چلے جائیں گے اور تجھے ایسی بددعائیں دیں گے کہ تُو ساری عمر اپنا گھر نہ بسا سکے گی اور تیرا راج کمار مر جائے گا۔"

"نہیں نہیں مہاراج، ایسا نہ کہیں، میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

راجکماری نے بے چین ہو کر کہا۔ رحمت ڈاکو نے اپنی پوٹلی میں سے

تھوڑا سا سیندور نکال کر راجکماری کے ماتھے پر لگایا اور کہا:

"اب تم جاؤ راجکماری، آدھی رات کو ہم اپنے دیوتاؤں کے ساتھ تیرا انتظار کریں گے۔ بھولنا نہیں۔ کالے گھوڑے پر سوار ہو کر آنا۔ موتیے کے پھول دیوتاؤں کے لیے ساتھ لانا اور کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج۔"

راج کماری نے جھک کر سلام کیا اور پالکی میں بیٹھ کر مندر کو چل پڑی۔ رحمت ڈاکو نے کانی آنکھ سے اُسے مندر کی طرف جاتے دیکھا۔ جب راجکماری کی پالکی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس نے ایک خوشی سے بھرپور قہقہہ لگایا۔ سارا کام وقت سے پہلے ہو رہا تھا۔ اُسے اُمید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اپنی سکیم میں کامیاب ہو جائے گا۔

اب وہ رات کو وہاں سے فرار ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ راج کماری سے کالا گھوڑا اُس نے اِس لیے منگوایا تھا کہ وہ اُس پر راج کماری کو بٹھا کر اغوا کر کے بھگا لے جائے گا۔ موتیے کے پھولوں کا ذکر اُس نے اِس لیے کیا تھا کہ راجکماری کو یقین ہو جائے کہ دیوتا لوگ بھی وہاں موجود ہوں گے۔ راجکماری کو بے ہوش کرنے کے لیے سلطانہ ڈاکو نے اُسے خاص طور پر ایک دوائی ساتھ کر دی تھی۔ یہ دوائی نیلی شیشی میں رحمت ڈاکو کے پاس محفوظ پڑی تھی۔ رحمت بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگا۔

شام ہوگئی۔ دن کی روشنی شام کے اندھیروں میں گُم ہونے لگی۔ مندر سے سارے پجاری واپس گھروں کو چلے گئے۔ پھر رات گہری ہو گئی۔ راستوں پر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ رحمت ڈاکو نے فرار ہونے کی ساری تیاری کر لی تھی۔ اب اُسے صرف راجکماری کا انتظار تھا۔ اُس نے راجکماری کو دھوکا دینے کے لیے اپنے ارد گرد ایک دائرہ بنا لیا تھا۔ وہ اِس دائرے کے اندر بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھیں دُور اُس سڑک پر لگی تھیں جو راجہ کے محل کو جاتی تھی۔ آدھی رات گُزر گئی۔ مگر راج کماری کا گھوڑا کہیں دکھائی نہ دیا۔ مگر اُسے یقین تھا کہ راجکماری کا ایمان کمزور ہے اِس لیے وہ ضرور آئے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ آئے۔ رحمت ڈاکو کو بے حد یقین تھا۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ راجکماری جلدی آ جائے تاکہ وہ رات کے اندھیرے میں ہی اُسے لے کر ریاست کی حدود سے باہر نکل جائے۔

اچانک رحمت ڈاکو کو دُور سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سُنائی دی۔ وہ چوکنّا ہو گیا۔ راجکماری یقیناً چلی آ رہی تھی۔ اُس نے اندھیرے میں سڑک پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کر دیا——

تھوڑی دیر بعد اُسے دُور سے گھوڑ سوار کا سایہ سا نظر آیا۔ جب یہ سایہ قریب آیا تو رحمت ڈاکو کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ راجکماری ایک ہاتھ میں موتیے کے گجرے لیے، سیاہ گھوڑے پر سوار چلی آ رہی تھی۔

رحمت ڈاکو نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ آلتی پالتی مار کر دائرے کے اندر بیٹھ گیا۔ راجکماری قریب آ کر گھوڑے سے اُتری اور رحمت ڈاکو کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پائے لاگن مہاراج"

رحمت ڈاکو نے آنکھیں کھول دیں۔

"جیتی رہو راجکماری، تُم خوش قسمت ہو۔ دیوتا آکاش سے سیدھے یہاں چلے آ رہے ہیں۔ تُم دُھن کی پکّی ہو۔ دیوتا تُم سے بہت خُوش ہُوتے ہیں"

"کیا سچ مہاراج؟"

"ہاں، اِندر دیوتا نے خود مجھے آ کر کہا ہے کہ میں راج کماری سے بہت خُوش ہُوں اور اُسے کہنا کہ اگر وہ آ گئی اور اُس نے ساری ریاضت پُوری کر لی تو وُہ اپنے چاند کو ضرور پا لے گی"

"بھگوان آپ کا بھلا کرے مہاراج، اِندر دیوتا سے کہنا کہ راجکماری بہادر ہے۔ اپنی بات کی پکّی ہے۔ وُہ اپنے دیوتاؤں کو نا اُمید نہیں ہونے دے گی"

"اِس دائرے کے اندر آ کر بیٹھ جاؤ راج کماری، دیوتا آنے ہی والے ہیں"

راج کماری دائرے کے اندر آ کر زمین پر بچھی ہُوئی ہرن کی کھال پر بیٹھ گئی۔ رحمت ڈاکو نے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا:

"آنکھیں بند کر لو راجکماری، اور جب تک میں نہ کہوں ہرگز ہرگز آنکھیں مت کھولنا۔ اگر تم نے ایک بھی آنکھ کھول کر دیکھا تو تیرا سارا بدن آگ میں جھلس جائے گا "

"جو حکم مہاراج "

راجکماری نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب رحمت ڈاکو نے اپنا اصل کام شروع کر دیا۔ اُس نے گدڑی میں سے نیلے رنگ کی شیشی نکال کر اُس کا کارک کھول دیا۔ پھر اُس نے موتیے کے پھولوں کا گجرا لے کر اُس پر بے ہوش کرنے والی دوائی کے چند قطرے گرائے اور گجرا راج کماری کے مُنہ کے قریب لے جا کر کہا :

"دیوتاؤں کے لیے ان موتیے کے پھولوں کو زور زور سے سانس کھینچ کر سونگھو تاکہ تمہارا اندر سے جسم پاک ہو جائے اور تم دیوتاؤں کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل ہو سکو۔"

"جو حکم مہاراج "

راج کماری نے زور زور سے پھول سونگھنے شروع کر دیے ابھی اُس نے تیسرا یا چوتھا سانس ہی اندر کھینچا تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور پھر وہ ایک دم بے ہوش ہو کر زمین پر ایک طرف لڑھک گئی۔ اب رحمت ڈاکو ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کر گدڑی میں سے رسّی نکال کر راج کماری کے ہاتھ پیر

باندھے پھر اُس کے مُنہ کے گرد کپڑا کس کر باندھا۔ اِس خیال سے کہ اگر راستے میں راج کماری کو ہوش آ جائے تو وہ شور مچا کر ہاتھ پاؤں نہ مارنا شروع کر دے۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ سیاہ گھوڑے کی طرف بڑھا۔ گھوڑا ایک اجنبی کو دیکھ کر کُودنے لگا۔

رحمت ڈاکو خوب جانتا تھا کہ کس قسم کے گھوڑے کو کس طرح سے سدھایا جاتا ہے۔ اُس کی ساری زندگی گھوڑے کی پیٹھ پر گزری تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ تھامی اور اُسے چمکارنے اور پیار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں گھوڑا رام ہو گیا۔ رحمت ڈاکو راج کماری کو اُٹھا کر گھوڑے پر ڈالا۔ خود سوار ہُوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا تھوڑی دُور تک دُلکی چال چلتا رہا، پھر وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ رحمت ڈاکو صُبح کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے ریاست کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ صُبح ہونے سے پہلے محل میں کسی کو راج کماری کی گمشدگی کی خبر نہیں لگ سکتی۔ وہ اتنی دیر میں ڈاکوؤں کی کمین گاہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

وہ گھوڑے کو سرپٹ نجیب آباد کے ویران قلعے کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ راستے تاریک تھے۔ وہ ریاست کے کھیتوں سے نکل کر میدان میں آ گیا۔ یہاں ہر طرف اندھیرا تھا۔ وہ اندازے کے مطابق ٹھیک چلا جا رہا تھا۔ راج کماری ابھی تک

بے ہوش پڑی تھی۔ اُس نے جان بُوجھ کر دوائی زیادہ سُونگھائی تھی — میدان ختم ہُوا تو ریاست کا جنگل شروع ہو گیا۔ اُس جنگل کے پار ریاست کی حدود ختم ہو جاتی تھی۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ رحمت ڈاکو گھوڑا دوڑائے جنگل میں سے گزرتا چلا گیا۔ جس وقت وہ بیہوش راجکماری کو لیے جنگل سے باہر نکلا تو صُبح کی نیلی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اب وُہ ریاست کی حدود سے باہر تھا۔

ــــ*ــــ*ــــ*ــــ*ــــ

پُرانے قلعے میں

رحمت ڈاکو راج کماری کو لے کر بجیب آباد کے پُرانے قلعے میں پہنچ گیا۔

سُورج ابھی ابھی نکلا تھا اور راج کماری بے ہوش تھی۔ وُہ رات بھر گھوڑا سَرپٹ دوڑاتا رہا تھا۔ بجیب آباد کے دُشوار گزار جنگلوں میں پہنچ کر رحمت ڈاکو نے سُکھ کا سانس لیا۔ اب اُسے ریاست کی فوج کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ یقیناً اب تک محل میں راجکماری کے گم ہونے کی سب کو خبر ہو گئی ہو گی اور وہاں ایک ہنگامہ مچا ہو گا۔ مگر رحمت ڈاکو اپنی کمین گاہ کے قریب پہنچ چُکا تھا۔ ریاست کے سپاہی یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اُسے دُور سامنے پُرانے قلعے کا کھنڈر دکھائی دیا۔ یہی اُس کی منزل تھی۔ قلعے کے کھنڈر کے باہر پہنچ کر اُس نے اُلّو کی آواز نکال کر اپنے آنے کی خبر کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وُہ سلطانہ ڈاکو کے پاس بیٹھا تھا اور راج کماری قالین پر بے ہوش پڑی تھی۔ سلطانہ ڈاکو نے رحمت کے کندھے کو تھپتھپا کر کہا:

"تُم واقعی اِس قابل ہو کہ میرے بعد میری جگہ لے سکو۔ تُم

نے آج جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اُس نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ یہ اتنا مشکل کام تھا کہ مجھے ڈر تھا کہیں تم ناکام واپس نہ لوٹ آؤ۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا سردار۔"

"شاباش، مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ اب راج کماری کو ہوش میں لانا چاہیے۔"

سلطانہ ڈاکو نے خالص جنگلی کستوری منگوا کر راجکماری کو سُنگھائی۔ راج کماری نے آنکھیں کھول دیں اور چاروں طرف انتہائی تعجب بھری نظروں سے دیکھا۔ وُہ حیران تھی کہ کس جگہ پر آ گئی ہے۔ اُس نے اپنے سامنے رحمت ڈاکو کو دیکھا تو اُسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہُوئے بولی:

"مہاراج، کیا آپ ہیں یہ؟"

رحمت ڈاکو نے نقلی ڈاڑھی اور سر کے بال اُتار کر الگ رکھتے ہُوئے کہا:

"راجکماری، میرا نام رحمت ڈاکو ہے اور یہ میرا سردار سلطانہ ڈاکو ہے اور یہ ہمارے گروہ کا ڈیرہ ہے۔ مَیں جوگی کا بھیس بدل کر تمہیں اغوا کرنے مندر کے باہر بیٹھا تھا۔"

راجکماری نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ سلطانہ ڈاکو نے کہا:

"تمہیں اتنی جلدی اِسے یہ سب کچھ نہیں بتانا چاہیے تھا۔"

"مَیں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی اسے اصل حقیقت معلوم ہو جائے اچھا ہے۔"

راجکماری کو کستوری سُنگھائی گئی۔ چہرے پر چھینٹے مارے گئے اُسے ہوش آیا تو سلطانہ ڈاکو نے کہا:

"راجکماری، میرا نام سلطانہ ڈاکو ہے۔ میرے نام سے اِس علاقے کا بچّہ بچّہ ڈرتا ہے۔ میری بات کو غور سے سُن، یہ سب کچھ میرے اشارے سے ہُوا ہے۔ مَیں نے تمہیں اِس لیے اغوا کرایا ہے کہ مَیں تمہارے راجہ باپ سے تمہاری رہائی کے بدلے ایک سَودا کرنا چاہتا ہُوں۔ یہ سَودا ناجائز نہیں ہے، بہت جائز اور انصاف والا سَودا ہے۔ اگر تمہارے باپ نے ہماری شرط مان لی تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا اور اگر شرط نہ مانی تو تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش تمہارے باپ کے پاس پُہنچا دی جائے گی۔ ایک بات مَیں تمہیں کھول کر بتا دینا چاہتا ہُوں کہ یہاں تمہاری عزّت پر حرف نہیں آئے گا۔ ہم تمہیں قتل کر سکتے ہیں مگر بے عزّت کبھی نہیں کریں گے۔"

راجکماری کا رنگ یہ سُن کر زرد ہو گیا۔ اُس کے بدن کا لہو خشک ہو گیا۔ زندگی میں پہلی بار وُہ اس قسم کی مُصیبت میں گرفتار ہُوئی تھی۔ اُس نے کہا:

"سلطانہ ڈاکو، مَیں تمہاری شرافت سے بے حد متاثر ہُوئی ہُوں۔

لیکن اگر تم مجھے اجازت دو تو مَیں جا کر اپنے باپ سے تمہاری شرطوں کے بارے میں بات کر سکتی ہُوں۔

سلطانہ نے ہنس کر کہا:

"مَیں اتنا بے وقوف نہیں ہُوں کہ تمہیں رہا کر کے راجہ سے اپنی شرائط کی بات کروں۔ بہر حال تم اِس ویران قلعے کے کھنڈر میں رہو گی۔ ایک عورت تمہاری نگہبانی کرے گی۔ تمہیں یہاں کِسی قِسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی، لیکن تم یہاں سے باہر نکلنے کا تصوّر بھی نہ کر سکو گی۔ یہاں سے تم اُسی صُورت میں باہر نکل سکو گی، جب تمہارا باپ ہماری شرطیں مان لے گا۔"

"وُہ شرطیں کون سی ہیں، کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"مَیں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

سلطانہ نے تالی بجائی۔ ایک اُدھیڑ عُمر کی عورت اندر داخل ہُوئی۔

"ممتاز، راجکماری تمہاری نگرانی میں دی جاتی ہے۔"

"جو حُکم سردار۔"

جب اُدھیڑ عُمر کی عورت راجکماری کو لے کر چلی گئی تو سلطانہ نے رحمت سے کہا:

"فوراً راجہ کے ہاں پیغام بھجوا دیا جائے۔ اُسے ہماری شرطوں سے آگاہ کر دیا جائے۔"

"جو حُکم سردار۔"

اُدھر راجہ کے محل میں راج کماری کی گمشُدگی کی وجہ سے کہرام مچا تھا۔ ریاست کے چاروں طرف راجکماری کی تلاش میں سوار دوڑا دیے گئے تھے۔ راجہ پریشان بھی تھا اور اُداس بھی۔ اُسے اپنی بے حد ذلّت محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راج کماری کو کس نے اغوا کیا ہے یا وُہ خود محل سے فرار ہو گئی ہے۔ اُسے خود فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ محل میں اُس کی ہر خواہش پُوری کی جاتی تھی۔ راجہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے سلطانہ ڈاکو کا پیغام مل گیا۔ پیغام میں صاف لکھا تھا کہ راجکماری ہمارے قبضے میں ہے۔ ہم نے اُسے اغوا کیا ہے۔ اگر اس کی زندگی چاہتے ہو تو پچاس لاکھ روپے کی مالیت کا سونا اور ایک تحریر روانہ کر دو۔ جس میں لکھا ہو کہ آئندہ تم رعایا کے ساتھ ظلم نہیں کرو گے اور اُن کا آگ ٹیکس، چُولہا ٹیکس وغیرہ معاف کر دو گے۔ اگر پندرہ دن کے اندر اندر پچاس لاکھ روپے کا سونا اور تحریر سلطانہ ڈاکو تک نہ پہنچی تو راجکماری کی لاش روانہ کر دی جائے گی۔

خط پڑھ کر راجہ کے طوطے اُڑ گئے۔

وُہ سلطانہ ڈاکو کی طاقت کو اب سمجھا تھا۔ غضب خُدا کا بھرے محل میں سے راج کماری کو اغوا کر لیا گیا اور کسی کو خبر تک نہ ہُوئی۔ مگر یہ شرطیں بڑی ذِلّت آمیز تھیں۔ وُہ اپنی بیٹی کے لیے پچاس لاکھ روپے کا سونا تو دے سکتا تھا مگر رعایا کا ٹیکس معاف

کرنا بڑا مشکل تھا۔ اگر اُس نے ایک بار رعایا کا مطالبہ تسلیم کر لیا تو
رعایا اُس کے سر پر سوار ہو جائے گی۔ پھر تو اُسے ایک روز گدّی
بھی چھوڑنی پڑ جائے گی۔ اُس نے وزیر سے مشورہ کیا تو اُس نے
کہا :

"مہاراج، سلطانہ ڈاکو اِتنا طاقتور نہیں جتنا ہوشیار اور چالاک ہے
جنگل میں وُہ ایسی جگہ چھپا ہے جہاں ہماری ریاست کی اور انگریزوں
کی ساری فوج بھی پہنچ جائے تو اُس کی چھپی ہُوئی غاروں کو تلاش
نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک گرفتار نہیں ہو سکا۔ وُہ
ڈاکہ مار کر اپنے خفیہ پہاڑی غار میں جا کر چھپ جاتا ہے کہ جس کا
کسی کو کچھ علم نہیں ہے۔ اِس لیے میرا مشورہ آپ کو یہی ہے
کہ سلطانہ ڈاکو کا مطالبہ مان لیا جائے۔"

راجہ نے کہا :

"مگر رعایا کا ٹیکس کیسے معاف کریں؟ ٹیکس معاف کریں تو
ریاست کا خرچ کہاں سے چلائیں۔ انگریزی حکومت کو جزیہ کہاں
سے دیں؟"

"دُوسری طرف بھی تو غور کریں مہاراج، اگر آپ نے ایسا نہ
کیا تو راج کُماری کی جان خطرے میں ہے۔ یہ ڈاکو لوگ بڑے ظالم
اور سنگ دل ہوتے ہیں۔ قتل کر دینا تو اُن کے آگے بائیں ہاتھ کا
کھیل ہے۔"

"تو کیا میں سلطانہ ڈاکو کے سامنے ہتھیار ڈال دُوں؟"

"فی الحال تو آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

"سلطانہ ڈاکو کو پیغام بھجوا دو کہ ہمیں سوچنے کا موقع دیا جائے
ہم ایک ہفتے بعد اِس کا جواب دیں گے۔ لیکن ہماری راجکماری کی
ہر طرح حفاظت کی جائے۔"

"بہت بہتر مہاراج۔"

پیغام خفیہ جگہ رکھ دیا گیا جہاں سے سلطانہ ڈاکو کا آدمی اٹھا کر
لے گیا۔ سلطانہ نے راجہ کا پیغام سُنا تو رحمت سے کہا :

"معلوم ہوتا ہے راجہ میرے خلاف کوئی بڑے حملے کی سکیم
تیار کر رہا ہے۔ خدا کی قسم اگر اُس نے ایسا کیا تو میں راجکماری
کے چھ ٹکڑے کر کے اُس کے باپ کے پاس پہنچا دُوں گا۔"

رحمت نے کہا :

"میرا خیال ہے، راجہ یہ حماقت نہیں کرے گا۔ اس نے پہلے بھی
ہمارے مقابلے میں زبردست شکست اُٹھائی ہے اب وہ بھلا یہ جرأت کیسے
کر سکتا ہے جب کہ اُسے معلوم ہے کہ اس کی راجکماری ہماری قید میں ہے۔"

"پھر بھی تم میری جانب سے راجہ کو پیغام بھجوا دو کہ اگر اُس نے
مجھ پر حملہ کرنے کا خیال بھی کیا تو راج کُماری کو اُسی وقت ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا جائے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

جے پور کا چاند

جے پور کے راج کمار کو راج کماری کے اغوا کی خبر ملی تو اُس کی نیند اُڑ گئی۔

وُہ راج کماری سے بیاہ کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ راجکماری کا باپ اِس رشتے کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اُسے اُمید تھی کہ وُہ اپنے ماں باپ سے کہلوا کر راجہ کو رضامند کرے گا۔ اب جب اُسے پتا چلا کر راج کماری کو سلطانہ ڈاکو اغوا کر کے لے گیا ہے تو اُس کی غیرت جوش میں آگئی۔ یہ اُس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ اُس کے ہوتے ہُوئے کوئی ڈاکو راجکماری کو اغوا کر کے لے جائے۔ اُسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ سلطانہ ڈاکو نے راج کماری کو بُری نیّت سے اغوا نہیں کیا بلکہ وُہ راجہ سے راج کماری کی رہائی کے بدلے کُچھ شرطیں منوانا چاہتا ہے۔ پھر بھی اُس کی ہونے والی بیوی کسی ڈاکو کے قبضے میں ہو۔

راج کمار نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ اپنی جان پر کھیل کر بھی راجکماری کو ڈاکوؤں کے چنگل سے ضرور رہائی دلائے گا۔ اگر وُہ ایسا نہ کر سکا تو خود مقابلہ کرتے کرتے ہلاک ہو جائے گا۔ ایک بہادر آدمی کو ایسا

ہی فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔ اِس فیصلے کا ذکر اُس نے کسی سے نہ کیا اور ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر سلطانہ ڈاکو کی کمین گاہ کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ سلطانہ ڈاکو کی اُس نے بہت شہرت سُن رکھی تھی۔ مگر اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں چھپا ہُوا ہے۔ اُسے صرف اتنا معلوم تھا کہ نجیب آباد کے ارد گرد کے جنگل اور کھنڈر اکثر اُس کے گروہ کی رہائش گاہ بنے رہتے ہیں۔ اُس نے جے پُور کی ریاست سے نکلتے ہی گھوڑے کا رُخ نجیب آباد کی طرف پھیر دیا۔ یہ سفر کافی لمبا تھا۔ جے پور سے نجیب آباد اُس زمانے میں کئی روز کا سفر تھا۔ راج کمار نے ہمت نہ ہاری اور سفر کرتا رہا۔ آخر رات کو وہ ایک سرائے میں پُہنچ گیا۔

یہ سرائے ایک بہت بڑے قصبے کے باہر واقع تھی۔ راجکمار نے سرائے والی سے رات گزارنے کی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بالکل نہ بتایا کہ وُہ جے پور کا راج کمار ہے۔ اُس نے کپڑے بھی معمولی پہن رکھے تھے لیکن اُس کی واسکٹ کے اندر کافی سکّے تھے۔ سرائے والی نے راجکمار کی طرف گھُور کر دیکھا اور پُوچھا:

"اے نوجوان تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

راجکمار نے جھُوٹ مُوٹ کہا:

"مَیں فتح پور کے ایک سوداگر کا لڑکا ہُوں اور الٰہ آباد اپنے چچا کے پاس جا رہا ہُوں"

سرائے والی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے راجکمار کی بات پر اعتبار نہیں آیا۔ سرائے والی کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا جو روٹی کھا رہا تھا۔ اُس نے اُس آدمی سے کہا :

"شریف آگیا ہے ؟"

"شریف کہاں گیا تھا ؟"

"شریف سے کہو آج باہر نہ جائے"

اتنا سُن کر وُہ آدمی بہت اچھا کہہ کر وہاں سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ سرائے والی نے راج کمار کو اُس کی کوٹھڑی دکھائی اور کہا :

"تم یہاں رات بسر کر سکتے ہو"

"کیا میرے گھوڑے کو چارا ڈال دیا جائے گا ؟"

"اِس کے لیے رقم پیشگی دینی ہوگی"

"بہت اچھا"

راجکمار نے جیب سے چند ایک سونے کے سکے نکال کر سرائے والی کو دے دیے۔ سونے کے سکے دیکھ کر سرائے والی کو یقین ہوگیا کہ آسامی بڑی موٹی ہے۔ اُدھر وہ آدمی سرائے سے نکل کر باہر ایک جنگل میں گیا جہاں کچھ لوگ بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اُس نے اُنہیں سرائے والی کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ لوگ ٹھگ تھے اور سرائے والی نے خفیہ لفظوں میں یہ پیغام بھیجا تھا کہ اُس کی سرائے میں ایک موٹی آسامی اُتری ہے۔

سرائے والی نے اپنی طرف سے بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ مگر اُسے یہ علم نہیں تھا کہ مُسافر جو اُس کی سرائے میں ٹھہرا ہے راجکمار ہے اور راجکمار کو ٹھگوں کی خفیہ زبان کا پُورا پُورا علم تھا۔ راج کمار تو اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ سرائے والی نے ٹھگوں کو بُلاوا بھیجا ہے۔ جب اُس نے کہا تھا۔

"شریف آگیا ہے ؟"

یہ ٹھگوں کا خاص فِقرہ ہُوا کرتا تھا ؛ چناں چہ راج کمار چوکس ہوگیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ٹھگ آدھی رات کو اُس کی کوٹھڑی میں آئے گا اور رومال سے اُس کی گردن کا منکا توڑ کر اُس کے پیسے لُوٹ کر لے جائے گا۔

راج کمار بالکل نہ سویا، بلکہ اُس نے بستر پر لحاف ڈال کر اُوپر چادر اِس طرح ڈال دی کہ معلوم ہو کوئی سو رہا ہے اور خود دروازے کی اوٹ میں پردے کے پیچھے تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا ہوگیا اور ٹھگ کا انتظار کرنے لگا۔

رات گہری ہوگئی۔ سب لوگ سو گئے۔ قصبے کی طرف سے کبھی کبھی کسی کُتّے کے بھونکنے کی آواز آجاتی۔ آدھی رات کا گجر بجا۔ راج کمار چوکنّا ہوگیا۔ اُسے معلوم تھا کہ اب ٹھگ اُس کی تلاش میں کوٹھڑی میں آئے گا۔ اُس نے جان بوجھ کر کوٹھڑی کا دروازہ کُھلا رکھا تھا۔ کُنڈی نہیں لگائی تھی۔ صرف کواڑ بند کر رکھے تھے۔

اُسے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی۔ پھر آہستہ سے کواڑ کھُل گیا اور ایک ٹھگ منہ سر کپڑے سے لپیٹے اندر داخل ہُوا۔ راجکمار پردے کے پیچھے چھُپا اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ٹھگ نے دروازہ بند کیا اور دبے دبے قدم اُٹھاتا بستر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وُہ جھُک کر کپڑا اُٹھانے ہی والا تھا کہ راجکمار تلوار سونت کر پردے سے باہر نکل آیا اور اُس نے تلوار کی نوک ٹھگ کی گردن پر رکھ دی۔

"خبردار، ذرا بھی حرکت کی تو تلوار گردن کے پار کر دوں گا۔"

"ٹھگ تو حیران رہ گیا۔ اُسے یہ توقع ہی نہیں تھی۔ راجکمار نے اُسے زمین پر بٹھا دیا اور خود تلوار اُس کی گردن پر رکھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مجھے معاف کر دو مسافر، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ایک بہادر اور ہوشیار رہنے والے جوان ہو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔"

راجکمار نے کہا:

"اگر تم مجھے ایک بات ٹھیک ٹھیک بتا دو تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا! وگرنہ ابھی اسی تلوار سے تمہارے ٹکڑے اُڑا دوں گا۔"

ٹھگ نے کانپتے ہُوئے پُوچھا:

"مجھے جتنا علم ہو گا ٹھیک ٹھیک بتاؤں گا۔ مجھے بتاؤ مجھ سے کیا پُوچھنا چاہتے ہو؟"

راجکمار نے تلوار کی نوک گردن پر ذرا دباتے ہُوئے کہا:

"سلطانہ ڈاکو کہاں رہتا ہے؟"

ٹھگ تھر تھر کانپنے لگا:

"حضور، یہ مجھ سے نہ پُوچھیں۔ اگر مَیں نے آپ کو بتا دیا تو سلطانہ ڈاکو کے آدمی میری کھال اُتار کر قیمہ قیمہ کر دیں گے۔"

"اگر نہیں بتاؤ گے تو اُس صُورت میں بھی تمہاری لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ اب تم خود سوچ لو کہ تمہیں کیا منظور ہے۔ یہ مَیں وعدہ کرتا ہُوں کہ مَیں کسی کے سامنے تمہارا ذکر نہیں کروں گا۔ اگر تم نے مجھے سلطانہ ڈاکو کا ٹھیک پتا بتا دیا تو تمہارا راز میرے سینے میں پوشیدہ رہے گا۔ سلطانہ ڈاکو کو کبھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ مجھے کِس نے اطلاع دی تھی۔"

"کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"ہاں مَیں وعدہ کرتا ہُوں۔"

"مَردوں کا وعدہ؟"

"ہاں مَردوں کا وعدہ۔"

"تو سُنو، یہاں سے اسّی کوس کے فاصلے پر نجیب آباد کے جنگل ہیں۔ ان جنگلوں میں ایک پُرانے قلعے کا کھنڈر ہے۔ آج کل سلطانہ ڈاکو اپنے آدمیوں کے ساتھ اسی کھنڈر میں ٹھہرا ہُوا ہے۔"

"کیا تم جھُوٹ تو نہیں بول رہے؟"

"ٹھگ ظالم ضرور ہوتے ہیں، مگر وُہ جھُوٹ کبھی نہیں بولا کرتے۔
مَیں نے جو کچھ آپ سے کہا بالکل سچ کہا ہے۔ جب آپ وہاں پُہنچیں گے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ مَیں سچ کہہ رہا تھا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم سلطانہ ڈاکو کے پاس کیا لینے جا رہے ہو اور تم کون ہو؟"

راج کمار نے کہا:

"یہ بھی ایک راز ہے جو مَیں کسی کو نہیں بتانا چاہتا۔ جاؤ اب تم آزاد ہو۔"

ٹھگ نے ہاتھ جوڑ کر راجکمار کو سلام کیا اور کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ اب راجکمار کے لیے وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ ٹھگوں کے ساتھی وہاں گھوم پھر رہے تھے۔ اُس نے اُسی وقت گھوڑے پر زین کسی۔ اُس پر سوار ہُوا اور رات کی تاریکی میں سفر پر روانہ ہو گیا۔

نجیب آباد کے جنگل تک اسّی میل کا راستہ راجکمار نے پُورے ایک دن میں طے کر لیا۔ شام ہونے سے کچھ ہی وقت پہلے وُہ جنگل کے کنارے پُہنچ گیا۔ اسی جنگل میں اس قلعے کا کھنڈر تھا جہاں اُس کی راجکماری سلطانہ ڈاکو کی قید میں تھی۔ راج کمار اگرچہ تھکا ہُوا تھا مگر وُہ آرام کرنے کی بجائے جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل میں ابھی دن کی کافی روشنی تھی۔ وُہ درختوں کے بیچ میں سے ہوتا اندازے کے مطابق

پُرانے قلعے کی سمت بڑھنے لگا۔ آخر اُسے پُرانے قلعے کا کھنڈر نظر آ گیا۔ ایک اُونچے ٹیلے پر میوا اور آم کے درختوں کے بیچ میں قلعے کے شکستہ کھنڈر کی دیواریں دکھائی دے رہی تھیں جن پر جنگلی جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ اب راج کمار پھُونک پھُونک کر قدم رکھنے لگا کیوں کہ اُسے معلوم تھا کہ سلطانہ ڈاکو کا علاقہ شروع ہو گیا ہے اور آس پاس اُس کے چوکیدار پھیلے ہُوئے ہوں گے۔

راجکمار گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں تھام لی اور پَیدل چلنے لگا۔ اب اُسے قلعے کے کھنڈر کی دیوار سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ راج کمار ایک سُوکھے ہُوئے تالاب کے کنارے دیوار کی اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ قلعے کے اندر کیسے داخل ہُوا جائے۔ ایک آہٹ سی ہُوئی۔ راجکمار نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ راج کمار گھوڑے پر سوار ہُوا اور گھوڑا بھگاتے ہُوئے قلعے کی دیوار کی عقبی جانب آ گیا۔ یہاں دیوار جگہ جگہ سے اُکھڑی ہُوئی تھی اور بیلوں کے موٹے موٹے رسّوں نے اُسے ڈھانپ رکھا تھا۔ راجکمار یہاں سے دیوار پھاند کر قلعے میں جانا چاہتا تھا۔

وہ رات کے اندھیرے کا انتظار کرنے لگا۔

جب چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تو راج کمار نے جنگلی بیلوں کے رسّوں کی مدد سے دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔ دیوار کے اُوپر

جا کر وُہ چھت پر کُود گیا۔ یہ چھت شکستہ تھی اور اس پر گھاس اُگی ہُوئی تھی۔ اندھیرے میں بڑی احتیاط سے چلتے ہُوئے راج کمار اُس طرف آگیا۔ جہاں پتھر کی ٹوٹی پھُوٹی سیڑھیاں نیچے اُترتی تھیں۔ وُہ دبے پاؤں سیڑھیاں اُترنے لگا۔ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک اُسے سلطانہ ڈاکو کے کسی بھی آدمی نے نہیں دیکھا تھا؛ وگرنہ اُس کا وہاں تک زندہ بچ کر پُہنچ جانا محال تھا۔ نیچے اندھیرا تھا اور یُوں لگتا تھا جیسے وُہ کوئی ہال کمرہ ہے۔ جس کی شکستہ چھت سے جالے چمٹے ہُوئے تھے اور پُرانے بوسیدہ شہتیروں میں چمگادڑیں بسیرا کر رہی تھیں۔ ایک چمگادڑ چیختی ہُوئی راج کمار کے سَر کے اُوپر سے گُزر گئی۔

راج کمار یہاں سے نکل کر برآمدے میں سے گزرتا ہُوا ایک بغلی حِصے میں آگیا جو شاید کسی کوٹھڑی کا عقبی حِصہ تھا۔ کیونکہ یہاں اُسے ایک سلاخ دار سُوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر نکلتی نظر آئی۔ راجکمار قدم قدم چلتا اُس سُوراخ کے پاس آگیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس کے منہ پر موٹی موٹی لوہے کی سلاخیں جڑی ہُوئی تھیں راج کمار نے آہستہ سے سر اُٹھا کر اندر جھانک کر دیکھا تو خوشی سے اُس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

کوٹھڑی میں گھاس پھُوس کے بستر پر راج کماری سر جُھکائے بیٹھی تھی۔ راج کمار نے اُسے آہستہ سے آواز دی:

"شکنتلا"

راج کماری نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو وہاں جے پُور کا چاند چمک رہا تھا۔ پہلے تو اُسے یقین ہی نہ آیا کہ اُس کے سامنے راجکمار کھڑا ہے۔ وُہ سمجھی کہ وُہ خواب دیکھ رہی ہے۔ مگر جب راجکمار نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے اپنی طرف بُلایا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"گھبراؤ نہیں راجکماری، مَیں تمہاری مدد کو آگیا ہُوں"۔

راج کماری کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اُسے یُوں لگا جیسے اُسے نئی زندگی مِل گئی ہو۔ اُس مُوت کے اجاڑ ویرانے میں راجکمار زندگی کا فرشتہ بن کر آیا تھا۔

"اچھے راج کمار، تم دُشمنوں کے درمیان یہاں تک کیسے پُہنچ گئے؟"

راج کمار نے سرگوشی میں کہا:

"یہ وقت اِن باتوں کا نہیں ہے۔ بس کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا ہُوں۔ جس دن سے سُنا تھا کہ ڈاکو تمہیں اغوا کر کے لے گئے ہیں مجھے کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا — تُم یہ بتاؤ کہ ڈاکو لوگ کہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم — صرف اتنا معلوم ہے کہ میری کوٹھڑی کے باہر بڑا زبردست پہرہ ہے"

"اندر آنے کا راستہ کِس طرف سے ہے؟"

"شاید قلعے کے بڑے دروازے کی طرف سے ہے۔ مگر وہاں

سے ہرگز اندر آنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ اگر تم پکڑے گئے تو یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو شکنتلا، مَیں ہر قیمت پر تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ خواہ اِس کے لیے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"

"ایسا نہ کہو راج کمار، مَیں مَر جاؤں پر تُم سلامت رہو۔"

"کیا یہ سلاخیں نہیں توڑی جا سکتیں؟"

راج کمار نے سلاخوں کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دی۔ مگر سلاخیں لوہے کی تھیں اور اِس قدر مضبوطی کے ساتھ پتھروں میں دھنسی ہُوئی تھیں کہ سارا زور لگانے پر بھی اُن میں ذرا سی جُنبش تک نہ ہُوئی۔

راج کمار نے کہا:

"مَیں دروازے میں سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہُوں۔ تم تیار رہنا۔"

"بھگوان کے لیے اپنی حفاظت کرنا۔"

"تم بے فکر رہو۔"

اِتنا کہہ کر راجکمار وہاں سے آگے نکل گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وُہ قلعے کے بڑے دروازے میں سے کسی نہ کسی طرح پہریدار کو دھوکہ دے کر اندر داخل ہو جائے گا۔ مگر یہ اُس کی بھُول تھی۔ اُسے علم ہی

نہیں تھا کہ ایک ڈاکو اُس کا قلعے کی سیڑھیوں سے پیچھا کر رہا تھا۔ ابھی وُہ قلعے کے دروازے کے قریب ہی پُہنچا تھا کہ ڈاکو نے پیچھے سے اُس کے گلے میں رومال ڈال کر مروڑا۔ قریب تھا کہ وُہ ایک ہی جھٹکے سے کام تمام کر دیتا کہ راج کمار نے بلند آواز میں کہا:

"مَیں جے پُور کا راج کمار ہُوں۔"

ڈاکو نے حیرانی سے راج کمار کو دیکھا اور کہا:

"اگر تم یہ نہ کہتے تو تمہاری لاش زمین پر پڑی ہوتی۔ چلو! آگے چلو—"

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

پولیس کے نرغے میں

•

راج کمار کو سلطانہ ڈاکو کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

سلطانہ کو جب معلوم ہوا کہ وہ جے پور کا راجکمار ہے اور راجکماری کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا کر وہاں تک پہنچا ہے تو وہ اس کی بہادری اور جرأت سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے کہا:

"راج کمار، تم ایک دلیر اور غیرت مند شہزادے ہو اور میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔ مگر اس وقت میں تمہارے ساتھ سوائے اس کے اور کوئی سلوک نہیں کر سکتا کہ تمہیں بھی راج کماری کے ساتھ ہی قید کر دوں۔ جب تک راج کماری کے باپ سے میری کوئی بات طے نہیں ہوتی، تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی میری قید میں رہنا ہوگا۔"

راج کمار نے کہا:

"سلطانہ ڈاکو، میں نے سنا تھا کہ تم ایک بہادر شخص ہو اور عورتوں پر ظلم نہیں کرتے، لیکن راج کماری کو قید کر کے تم نے جوانمردی کا ثبوت نہیں دیا۔"

سلطانہ ڈاکو میز پر مکا مار کر بولا:

"خاموش، تم مجھے نہیں جانتے۔ جاؤ جا کر راجکماری سے پوچھو

کہ کیا یہاں اس کی عزت اسی طرح محفوظ نہیں ہے جس طرح اس کے گھر میں محفوظ تھی؟ راجکماری کو قید میں ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کے باپ نے رعایا کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس رکھا ہے۔ میں غریب عوام کو ایک ظالم راجہ کے ظلم و ستم سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔"

"اگر راجہ نے تمہاری شرطیں ماننے سے انکار کر دیا تو؟"

سلطانہ نے دانت پیس کر کہا:

"تو اس راج کماری کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کر کے لاش کے ٹکڑے اس کے باپ کے پاس روانہ کر دوں گا۔"

راجکمار نے جوش میں آ کر کہا:

"میرے ہوتے ہوئے تم شہزادی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔"

سلطانہ نے ایک زوردار تھپڑ راج کمار کے گال پر مارتے ہوئے کہا:

"پھر مجھے تمہاری لاش کے ٹکڑے بھی ساتھ ہی روانہ کرنے پڑیں گے ۔۔۔ لے جاؤ اس کو اور قید میں ڈال دو۔"

ڈاکو راج کمار کو لے گئے اور انہوں نے اسے بھی لے جا کر راجکماری کی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ راج کماری اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیا تم بھی پکڑے گئے راج کمار؟"

"ہاں راجکماری — تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ ہماری مُلاقات قید خانے کی کوٹھڑی میں ہو۔"

راج کماری نے اُداس ہو کر سر جُھکا لیا۔ راج کمار نے اُسے تسلّی دیتے ہُوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں شکنتلا، ہم کسی نہ کسی طرح یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔"

"ایسا ناممکن ہے راج کمار۔" شکنتلا نے آہ بھر کر کہا۔

"تمہیں نا اُمید نہیں ہونا چاہیے شکنتلا۔ مَیں یہاں سے فرار ہونے کی ایک کوشش ضرور کروں گا۔"

راج کمار بڑا پُر اُمیّد تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر وُہ کوشش کرے تو وہاں سے فرار ہونے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ وُہ راجکماری کا بھی حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ مگر شاید اُسے معلوم نہیں تھا کہ وُہ کسی سرکاری جیل خانے میں نہیں تھا، بلکہ ایسے لوگوں کی قید میں تھا جو سب کے سب مفرور مُلزم تھے اور جیلوں ہی سے فرار ہو کر بھاگے تھے اور اُنہیں خوب معلوم تھا کہ ایک مُجرم بھاگنے کی کیا کیا ترکیبیں کرتا ہے! چنانچہ قلعے کے اندر باہر جگہ جگہ ڈاکوؤں کا پہرہ تھا۔ راج کمار جس وقت قلعے کی حدود میں داخل ہُوا تھا تو اُنہیں علم ہو گیا تھا اور ایک ڈاکو اُس کے پیچھے بھی لگ گیا تھا۔ مگر وُہ چاہتا تھا کہ راج کمار قلعے کے اندر پُہنچ جائے! چناں چہ ایسا ہی ہُوا۔ جُوں ہی راجکمار نے قلعے کی چھت

سے اُتر کر صحن میں قدم رکھا اُسے گرفتار کر لیا گیا۔

پھر بھی راجکمار ایک راجے کا بیٹا تھا۔ اُسے بچپن ہی سے جنگ فراز اور بہادری اور کبھی ہمت نہ ہارنے والی تعلیم دی گئی تھی۔ وہ فرار کے منصوبے بنانے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ جو شخص اُن کے لیے کھانا لے کر آتا ہے۔ وُہ ہمیشہ دروازہ کھول کر بائیں جانب والے کواڑ کے پیچھے سے داخل ہوتا ہے۔ وُہ عورت جو راجکماری کی نگرانی کرتی تھی، ہمیشہ شام کو آتی۔ اس کے بعد وُہ آدھی رات کو ایک چکّر لگاتی تھی۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ راج کمار رات کے پچھلے پہر وہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ وُہ دل ہی دل میں اپنے منصوبے پر غور کرنے لگا۔

رات کو کھانا لے کر آنے والے ڈاکو کا وقت ہُوا تو راجکمار چوکنّا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک پتھر تھام رکھّا تھا— ٹھیک وقت پر کواڑ بائیں جانب سے کُھلا اور ڈاکو کھانے کی چنگیر لے کر اندر داخل ہُوا ہی تھا کہ راج کمار نے پتھر اُس کے سر پر دے مارا۔ ڈاکو چکرا کر گر پڑا۔ راج کمار نے جلدی جلدی اُس کی مُشکیں کس کر اُس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

"ہائے رام، یہ تو مر جائے گا۔"

"مر جانے دو اسے، تم میرے ساتھ آؤ۔"

راج کمار نے ڈاکو کا خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دروازے سے باہر نکل کر اندھیرے میں دیوار کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے

لگا۔ اصل میں اُس نے بڑی غلطی کی تھی۔ اُسے یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وُہ ڈاکوؤں کے قلعے میں ہیں اور اُس قلعے کے نشیب و فراز سے ناواقف ہیں ؛ چنانچہ وُہی ہُوا جس کا راجکماری کو ڈر تھا۔ ابھی قلعے کے اندھیرے برآمدے میں ہی تھے کہ پکڑ لیے گئے۔ اُنہیں سلطانہ ڈاکو کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطانہ نے مُسکرا کر کہا :

" مَیں اُن لوگوں کو پسند کرتا ہُوں جو اپنی آزادی کے لیے اپنی جان پر کھیل کر بھی جدوجہد کرتے ہیں۔ مَیں تمہیں انعام تو نہیں دے سکتا لیکن تمہیں سزا بھی نہیں دُوں گا۔

ساتھیو، اِنہیں لے جاؤ اور اِن کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دو، اِس لیے کہ جب تک راجہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ اِن کا ہمارے ہاں قید رہنا ریاست کے غریب اور مظلوم عوام کے مفاد کے لیے ضروری ہے"۔

راج کماری اور راج کمار کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔

راجہ کی طرف سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ سلطانہ ڈاکو نے ایک اور پیام بر کو ریاست کی طرف روانہ کیا۔ راجہ نے اُس ڈاکو کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ مَیں سلطانہ کی ساری شرطیں منظور کرتا ہُوں۔ میں تحریری طور پر رعایا کے ٹیکس معاف کرتا ہُوں اور اپنی راج کماری کی رہائی کے لیے دس لاکھ سونے کے سکّے دینے پر راضی ہُوں۔ یہ پیغام سلطانہ ڈاکو کے پاس پُہنچا تو ہر طرف خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سلطانہ نے یہ خوش خبری راجکماری اور راجکمار کو بھی پُہنچا دی۔

طے یہ ہُوا کہ رات کی تاریکی میں راجہ کا وزیر اور نائب وزیر ضروری کاغذات اور دولت لے کر مقررّہ جگہ پر پُہنچ جائے گا۔ راجہ کو خبردار کر دیا گیا کہ اگر اُس نے انگریز فوج کو اطلاع کی تو عین موقع پر ہی راجکماری کو قتل کر دیا جائے گا۔ راجہ نے کہلوا بھیجا کہ وہ مکمّل رازداری سے کام لے گا۔ ایک باپ اپنی بیٹی کی زندگی بچانے کے لیے مجبور ہو گیا تھا کہ وُہ ڈاکوؤں کی ہر شرط منظور کرے۔

طے شدہ وقت اور جگہ کے مطابق راجہ کے آدمی تحریری دستاویز اور دس لاکھ سونے کے سکّے لے کر آ گئے۔ اُدھر سے رحمت ڈاکو اپنے ساتھیوں سمیت راجکماری کو لے کر آ گیا۔ راج کمار کو سلطانہ ڈاکو نے قید ہی میں رکھا تھا۔ وُہ اُسے سارا معاملہ طے ہو جانے کے بعد رہا کرنا چاہتا تھا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر راجہ کی دستخط شدہ دستاویز اور سونے کے سکّے ڈاکو کے حوالے کیے۔ ڈاکوؤں نے بندوقیں تان رکھی تھیں اور اُن کے اردگرد بھی نگرانی کی جا رہی تھی کہ کہیں اُن کے پیچھے انگریز کی فوج نہ آ رہی ہو۔ دستاویز اور سونے کے سکّوں کا صندوق لے کر رحمت ڈاکو نے راجکماری کو وزیر کے حوالے کر دیا۔

سلطانہ ڈاکو نے سونے کے سکّوں سے بھرا ہُوا صندوق دیکھا تو خُوش ہو کر بولا :

" راجہ نے یہ دولت غریب رعایا کا خُون چُوس چُوس کر جمع کی ہے۔ مَیں اسے تمام کی تمام غریبوں میں تقسیم کر دوں گا "۔

پھر اُس نے وُہ دستاویز دیکھی جس پر راجہ نے لکھ کر دے دیا تھا
کہ مَیں آئندہ سے اپنی رعایا سے آگ ٹیکس، چوُلہا ٹیکس وصُول نہیں
کروں گا۔ رحمت نے پُوچھا :

" سردار، اِس کا کیا ثبوت ہے کہ وُہ دوبارہ ٹیکس وصول کرنا
نہیں شروع کر دے گا ؟ "

" ریاست کی رعایا سے معلوم ہو جائے گا۔ اگر راجہ نے دوبارہ
ٹیکس لگایا تو اُس کے محل کو آگ لگا دی جائے گی ۔ "

مگر راجہ نے بڑی دانشمندی سے کام لیا اور اُس نے اپنی رعایا
پر چوُلہا اور آگ ٹیکس ختم کر دیا۔ اِس کا سب سے بڑا باعث راجکماری
تھی جس نے راجہ کو مجبور کیا کہ وُہ سلطانہ ڈاکو کے ساتھ اپنے عہد کو
نبھائے۔ اِس لیے کہ وُہ ایک عزت مند بہادر اور شریف ڈاکو ہے۔
اُس نے راجہ کو بتایا کہ اُس نے قید میں اُس کے ساتھ نہایت شریفانہ
سلوک کیا ہے۔

اُن ہی دنوں بنسی نام کے ایک ڈاکو کا بڑا شہرہ سُنا جانے لگا —
معلوم ہُوا کہ یہ ڈاکو مہاراشٹر کے صوبے سے بھاگ کر سلطانہ ڈاکو کے
علاقے میں آگیا ہے اور لوگوں پر بے حد ظلم کر رہا ہے۔ وُہ امیروں کے
ساتھ ساتھ غریبوں کو بھی لُوٹتا ہے اور اُن کی عورتوں کو قتل کر رہا ہے۔
سلطانہ ڈاکو تک یہ خبریں پہنچیں تو وُہ غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے رحمت
سے کہا :

" اِس ڈاکو کے گروہ کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیا جائے۔ یہ ہمارے
لیے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہو رہا ہے۔ مَیں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ
میرے علاقے میں کوئی ڈاکو غریبوں کے جان و مال پر ظلم کرتا پھرے ۔ "

رحمت ڈاکو بولا :

" مَیں ابھی مخبر بھجوا کر معلوم کرواتا ہُوں کہ بنسی ڈاکو کون سے
علاقے میں گھوم پھر رہا ہے ۔ "

" مَیں ایک دن کے لیے اپنے پُرانے دوست احمد خان سے ملنے شہر
جا رہا ہُوں۔ میری واپسی تک یہ تمام معلومات مہیا ہو جانی چاہئیں ۔ "

" ایسا ہی ہوگا۔ مگر سردار آپ شہر اکیلے ہی جائیں گے ؟ "

" ہاں رحمت، احمد خان کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ مَیں
اپنے دوست کی بیٹی کو شادی کا تحفہ دینا چاہتا ہُوں اور وہاں میرا
اکیلا جانا ہی مناسب ہے۔ تم فکر نہ کرو ۔ "

" جیسے آپ کی مرضی سردار۔ ویسے اگر آپ بُرا نہ مانیں تو مَیں
آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہُوں ۔ "

" اگر تم چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ "

دُوسرے دن پَو پھٹنے سے پہلے پہلے سلطانہ ڈاکو اور رحمت ڈاکو
نے عام دیہاتیوں کا لباس پہنا، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی کمین گاہ
سے نکل کر شہر کی جانب روانہ ہُوئے۔ شہر وہاں سے تیس کوس کے
فاصلے پر تھا۔ دونوں ڈاکو اور دونوں دوست دوپہر کے قریب شہر

پہنچ گئے۔

یہ شہر اتنا بڑا نہیں تھا پھر بھی کافی بارونق تھا۔ سلطانہ ڈاکو نے اپنا حلیہ بدل رکھا تھا۔ اِس لیے اُسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ شہر میں داخل ہو کر وُہ گھوڑوں سے اُتر گئے اور احمد خان کی حویلی کی طرف چل پڑے۔ احمد خان سلطانہ کا بچپن کا دوست تھا۔ وُہ ایک ہی گاؤں میں پیدا ہُوئے تھے اور اُنہوں نے ایک ہی مولوی صاحب سے شروع شروع میں پڑھا تھا۔ پھر وُہ دونوں دوست ایک ساتھ اُسی گاؤں میں کھیل کُود کر بڑے ہُوئے تھے۔ یہ قسمت کی بات تھی کہ سلطانہ بڑا ہو کر ڈاکو بن گیا اور احمد خان نے شہر میں آ کر چمڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ پھر بھی وُہ ایک دُوسرے سے ملتے رہتے ۔۔۔ احمد خان اگر اپنے کاروبار کے سلسلے میں اُس جنگل سے گزرتا جہاں سلطانہ ڈاکو مقیم ہوتا تو وُہ اُسے ضرور ملتا اور اِسی طرح سلطانہ ڈاکو بھی کبھی کبھی احمد خان سے ملنے چھُپ چھُپا کر اُس کے گھر آ جایا کرتا۔ پولیس کو معلوم تھا کہ احمد خان سلطانہ کا دوست ہے مگر اُس اُس نے کبھی پولیس کو نہیں بتایا تھا کہ سلطانہ ڈاکو اُس کے گھر آیا ہُوا ہے۔ وُہ سلطانہ کا دوست تھا اور دوست کے ساتھ غدّاری کرنا دُنیا کا بہت بڑا گناہ ہے۔

سلطانہ ڈاکو کو معلوم ہُوا کہ احمد خان اگلے ماہ اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہے؛ چنانچہ وُہ اِس سلسلے میں احمد خان کے ہاں

اپنا فرض ادا کرنے جا رہا تھا۔ اُس کے دوست کی بیٹی اُس کی اپنی بیٹی تھی۔ وُہ جس قدر بھی مدد کر سکتا تھا، شادی کے موقع پر اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ رحمت کے ساتھ پیدل چلتا ہُوا وُہ مختلف گلیوں میں سے گزرتا احمد خان کی حویلی کے باہر پہنچ گیا۔ ڈیوڑھی میں اُس نے اندر پیغام بھجوایا۔

"خان صاحب سے کہو اُس کا دوست شریف اُس سے ملنے آیا ہے"

خادم پیغام لے کر اندر گیا تو احمد خان خود استقبال کے لیے ڈیوڑھی میں آ گیا۔ اُس نے سلطانہ اور رحمت کی بے حد خاطر مدارات کی۔

سلطانہ نے کہا:

"خان، مَیں زیادہ دیر تمہارے ہاں ٹھہر کر تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ حالات زیادہ سنگین ہو گئے ہیں۔ انگریزی فوج شکاری کتّوں کی طرح پولیس کے ساتھ میرا پیچھا کرتی رہتی ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم بیٹھے بٹھائے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔"

احمد خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"سلطانہ، تم میرے یار ہو، یار کے لیے میری جان بھی حاضر ہے تم بلا روک ٹوک مجھ سے ملنے آیا کرو۔ پولیس کی جرأت نہیں کہ میری حویلی میں قدم رکھ سکے۔ اگر کسی نے تجھ پر ہاتھ ڈالا تو اُسے احمد خان کی لاش پر سے گزر کر جانا ہو گا۔"

"مَیں جانتا ہُوں احمد خان، تم ایک بہادر انسان اور بہترین

دوست ہو۔ پھر بھی تم ایک بال بچے دار شریف انسان ہو۔ مَیں تمہیں
ہر قسم کی مُصیبت سے دُور دیکھنا چاہتا ہُوں"۔
سلطانہ ڈاکو نے رحمت کی طرف اشارہ کیا۔ رحمت ڈاکو نے کمر
کے گرد لپٹا ہُوا ایک پٹکا کھولا اور اُس میں سے سونے کے ایک ہزار
سکّے برآمد ہُوئے۔

"بیٹی کی شادی کے لیے اپنے دوست کی طرف سے یہ حقیر تحفہ قبول
کرو خان، انکار مت کرنا؛ ورنہ مجھے تکلیف ہوگی۔ اِس لیے کہ میں
تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہُوں"۔

احمد خان کہنے لگا:

"سلطانہ تم نے یہ تکلّف کیوں کیا۔ تم ویسے آکر مجھے مُبارک باد
دے دیتے تو میرے لیے وُہی بہت تھا"۔

"مَیں اب بھی سمجھتا ہُوں خان کہ مَیں نے صرف بیٹی کی شادی کی
مُبارک باد ہی دی ہے۔ اِس سُوکھی مُبارک باد کو قبول کرکے میری عزت
افزائی کرو خان"۔

"یہ تم خود اپنی بیٹی کے ہاتھ پر رکھو"۔

احمد خان نے اپنی بیٹی کو بُلایا جو دوپٹہ اوڑھے سر جُھکائے اندر داخل ہُوئی
اور چچا کو سلام کرکے ایک طرف ادب سے بیٹھ گئی۔ سلطانہ نے اُٹھ
کر بیٹی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور ایک ہزار طلائی سکّوں کی
تھیلی اُس کی جھولی میں رکھ دی۔

"بیٹی اپنے حقیر چچا کی جانب سے قبول کرو۔ یہ لوٹ مار کی دولت
نہیں ہے بیٹی، بلکہ یہ میرے اُس روپے کی کمائی ہے جو مَیں نے بنگلور
اور آندھرا پردیش کے سیٹھوں کے پاس مختلف کاروبار میں لگا رکھا ہے"۔

اِس کے بعد سلطانہ ڈاکو اور رحمت اُٹھ کر جانے لگے تو اچانک
نوکر گھبرایا ہُوا اندر داخل ہُوا اور بولا:

"حضور، باہر پولیس آگئی ہے"۔

احمد خان نے بیٹی کو زنان خانے پہنچوا دیا اور بولا:

"سلطانہ، میرے ساتھ آؤ"۔

احمد خان نے نوکر سے کہا کہ وُہ تھانے دار سے کہے کہ مَیں
ابھی آرہا ہُوں۔ اُنہیں ڈیوڑھی میں بٹھا کر اُن کی خاطر مدارات کرو۔
نوکر "بہت بہتر حضور" کہہ کر باہر نکل گیا۔

احمد خان نے سلطانہ اور رحمت کو ساتھ لیا اور سیڑھیاں اُتر کر
حویلی کے تہہ خانے میں آگیا۔

"تم یہاں اطمینان سے بیٹھو اور ہرگز فکر نہ کرنا۔ پولیس احمد خان
کی لاش پر سے گُزر کر تم تک آئے گی"۔

"احمد خان، مَیں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم کسی مُصیبت میں
پھنس جاؤ۔ اپنا خیال رکھنا"۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

اِتنا کہہ کر احمد خان تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر چلا گیا۔

سلطانہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور رحمت ڈاکو سے کہنے لگا :

"اگر پولیس نے احمد خان کے ساتھ تشدد کیا تو مَیں اُس سے ایسا انتقام لُوں گا جسے وہ ساری زندگی یاد رکھے گی ۔"

رحمت خان نے کہا :

"میرے خیال میں پولیس ایسا نہیں کرے گی۔" بہرحال وہ دونوں ڈاکو حویلی کے تہہ خانے میں بیٹھے حالات کا انتظار کرنے لگے ۔

* * * * *

دوستی کا حق

احمد خان ڈیوڑھی میں پہنچا تو تھانیدار اُس کا انتظار کر رہا تھا ۔ اُس کے ساتھ تین سپاہی بھی تھے ۔ احمد خان اُنہیں بڑے تپاک سے ملا ۔ تھانیدار مکند لال کے چہرے پر کرختگی کے آثار تھے ۔ اُسے اُس کے مخبر نے بڑی صحیح اطلاع دی تھی کہ سلطانہ ڈاکو خان کی حویلی میں اپنے ساتھی کے ہمراہ چھپا ہُوا ہے ۔ اُس نے چھوٹتے ہی کہا :

"خان صاحب، اگر آپ اِس وقت سلطانہ ڈاکو کو پولیس کے حوالے کر دیں تو نہ صرف یہ کہ آپ کو بھاری انعام ملے گا بلکہ انگریز آپ کی زمینیں بھی واگذار کر دے گا ۔"

احمد خان نے بناوٹی حیرانی سے کہا :

"آپ کون سے سلطانہ ڈاکو کی بات کر رہے ہیں مہاشہ جی ؟"

مکند لال ہنس دیا :

"اتنے بھولے نہ بنیں خان صاحب، آپ سلطانہ ڈاکو سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ آپ کا بچپن کا دوست ہے اور آپ سے ملنے اکثر یہاں آیا کرتا ہے ۔ وہ اِس وقت بھی آپ کی حویلی میں ہے ۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ سلطانہ ڈاکو کو پولیس

کے حوالے کر دیں "

احمد خان نے کہا :

"آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے تھانیدار صاحب، سلطانہ ڈاکو میرا بچپن کا دوست ضرور ہے۔ ہم ایک ہی گاؤں میں کھیل کود کر بڑے ہوئے ہیں۔ مگر ہماری راہیں جُدا جُدا ہو گئیں۔ اُس نے اپنے لیے ایک دُوسرا راستہ اختیار کر لیا۔ جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سلطانہ ڈاکو مجھ سے کبھی نہیں ملا اور اِس وقت تو اُس کے حویلی میں موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا "

تھانیدار نے مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہُوئے کہا :

"ہمیں مجبوراً حویلی کی تلاشی لینی پڑے گی خان صاحب"۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے "

"گھبرائیں نہیں، ہم تلاشی کی اجازت لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمیں قانون کی طرف سے اجازت ہے کہ ہم سلطانہ ڈاکو کو گرفتار کرنے کے سلسلے میں آپ کے گھر کی تلاشی لیں "

اب احمد خان پریشان ہو گیا۔ اگر سپاہیوں نے حویلی کی تلاشی لی تو کہیں سلطانہ گرفتار نہ ہو جائے۔ اگر سلطانہ خان کی حویلی میں گرفتار ہو گیا تو یہ خان کے لیے بڑی ذلت کا باعث ہو گا کہ اُس کے گھر میں اُس کا ایک مخلص دوست گرفتار کر لیا گیا۔ خاص طور پر جب کہ وُہ اُس کی بیٹی کی شادی کا تحفہ لے کر آیا تھا۔ احمد خان

کش مکش میں پھنس گیا۔ صرف ایک خیال اُسے تسلّی دے رہا تھا کہ ہو سکتا ہے وُہ تہہ خانے کے دروازے تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر سپاہی تو مجرم کی بُو سُونگھ لیتے ہیں۔ احمد خان کے سامنے اب سوائے اِس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ پولیس کو تلاشی کی اجازت دے دے۔

"اگر آپ تلاشی ہی لینا چاہتے ہیں اور قانون نے آپ کو اجازت بھی دے دی ہے تو بے شک تلاشی لے لیجیے "

"مجھے آپ سے یہی توقع تھی "

تھانیدار نے سپاہیوں کو ساتھ لیا اور حویلی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ احمد خان نے عورتوں کو زنان خانے میں بھجوا دیا۔ سپاہی تھانیدار کے ساتھ ایک ایک کمرے میں جاتے اُس کی ہر ایک شے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے۔ چارپائیوں اور صندوقوں تک کو الٹ دیتے۔ وُہ بڑی بے رحمی سے تلاشی لے رہے تھے۔ احمد خان کو بڑا غصّہ آ رہا تھا، مگر وہ خاموش تھا۔ اِس لیے مصلحت اِسی میں تھی کہ وُہ جذبات پر قابو پا کر رکھے۔

سپاہی اب اُس کمرے میں آ گئے جہاں سے ایک خُفیہ دروازہ نیچے اُس تہہ خانے کو جاتا تھا۔ جہاں سلطانہ ڈاکو اپنے ساتھی رحمت کے ساتھ موجود تھا۔ پولیس اس کمرے میں داخل ہو کر چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔ سپاہی پلنگوں میزوں کے نیچے جھانکتے۔ الماریوں کو کھُلوا کھُلوا کر دیکھتے صندوقوں کو ڈنڈوں سے ٹھونک بجا کر دیکھتے۔ احمد خان کا دِل دھڑکنے لگا

تھا۔ اُسے یہی ڈر تھا کہ کہیں پولیس کو تہہ خانے کے خفیہ راستے کا علم نہ ہو جائے۔ یہ خفیہ راستہ ایک دیوار میں سے نیچے جاتا تھا۔ دیوار پر دروازے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ صرف ایک تصویر کا چوکھٹا لگا تھا۔ اس چوکھٹے کے پیچھے وُہ چھوٹا سا ہینڈل تھا جسے گھُما کر تہہ خانے کا دروازہ کھُلتا تھا۔ تھانیدار تصویر کے چوکھٹے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ احمد خان کا سانس اُوپر کا اُوپر رہ گیا۔ تھانیدار نے تصویر کو غور سے دیکھ کر کہا:

"یہ آپ کے دادا جان کی تصویر ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اِس میں رنگ کس نے بھرا ہے؟"

"دلّی کے ایک آرٹسٹ سے رنگ بھروایا تھا۔"

"بہت خوب صورت رنگ بھرا ہے اُس نے۔"

اور تھانیدار نے تصویر کے اُوپر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اس وقت اگر وہ ایک لمحے کے لیے تصویر کو اپنی جگہ سے اُتار لیتا تو نیچے تہہ خانے کا ہینڈل نکل آتا۔ مگر خدا کا شکر رہا کہ اُس نے تصویر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد آگے بڑھتے ہُوئے کہا:

"خان صاحب، اگر اب بھی آپ پولیس کے ساتھ تعاون کریں اور سلطانہ ڈاکو ہمارے حوالے کر دیں تو اس میں آپ ہی کی بہتری ہو گی۔"

"تھانیدار صاحب، آپ بار بار ایسا کہہ کر میری توہین کر رہے ہیں۔ اور مجھے مُلزم ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مَیں اِس شہر کا ایک باعزت شہری ہُوں اور آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مَیں نے سلطانہ ڈاکو کو پناہ دے رکھی ہے۔"

تھانیدار نے ایک قہقہہ لگایا:

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے خان صاحب۔"

اِس کے ساتھ ہی تھانیدار نے سپاہیوں کو حُکم دیا کہ زنان خانے میں جا کر تمام عورتوں کو باہر نکال کر وہاں حاضر کیا جائے۔ احمد خان جوش میں آگیا۔

"تھانیدار صاحب، اگر آپ نے میرے گھر کی خواتین کی بے عزّتی کرنے کی کوشش کی تو نتیجے کی ذمّہ داری آپ پر ہو گی۔"

تھانیدار نے قہقہہ لگایا:

"میرے پیچھے انگریز کی طاقت ہے احمد خان۔ میں اگر چاہوں تو تمہاری حویلی کو آگ لگا سکتا ہُوں۔ تمہارے گھر کی تمام عورتوں کو گرفتار کر کے تھانے بُلا سکتا ہُوں۔ دیکھتا ہُوں مجھے کون مائی کا لال روکتا ہے۔"

اُس نے سپاہیوں سے کہا:

"زنان خانے کے دروازے توڑ دیے جائیں۔"

احمد خان اُچھل کر سپاہیوں کے آگے جا کھڑا ہُوا۔

"اگر کسی نے زنان خانے کی طرف جانے کی جُرأت کی تو اُس کی لاش یہاں تڑپ رہی ہو گی۔"

تھانیدار نے اُونچی آواز میں کہا:

" احمد خان، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرو "

احمد خان نے گرج کر کہا :

" اگر قانون میری عزت پر حملہ کرتا ہے تو میں اُس کے ٹکڑے اُڑا دوں گا "

" بہت بہتر، مَیں انگریز فوج کے ساتھ اب تمہاری حویلی میں آؤں گا — اور دیکھتا ہُوں، مجھے تمہارے گھر کی عورتوں کو ہتھکڑیاں ڈالنے سے کون روک سکتا ہے "

احمد خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھانیدار سپاہیوں کو لے کر حویلی سے باہر نکل گیا۔

یہ ساری کارروائی تہہ خانے کے دروازے کے ساتھ لگا سلطانہ ڈاکو سُن رہا تھا۔ تھانیدار کے جاتے ہی وُہ تہہ خانے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اُس نے احمد خان کو سینے سے لگا کر کہا :

" تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے خان، اب مجھے اپنی دوستی کا حق ادا کرنے دو۔ رحمت میرے ساتھ آؤ "

احمد خان نے پُوچھا :

" تم کہاں جا رہے ہو سلطانہ ؟ "

" احمد خان، میں بڑی آسانی سے باہر آ کر تھانیدار اور اُس کے تینوں سپاہیوں کو گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ مگر ایسا کرنے میں تمہاری گرفتاری اور بدنامی ہوتی۔ تھانیدار نے تمہارے گھر کی عورتوں کے بارے میں بے عزتی کے لفظ کہہ کر میری بیٹی اور میری بہنوں کی بے عزتی کی ہے۔ مَیں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہُوں کہ گورا فوج کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر یہاں آئے اور میری بیٹی اور بہنوں کو گرفتار کر کے تھانے لے جائے۔ ۔ ۔ صرف اِس جُرم میں کہ احمد خان نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ مَیں تھانیدار اور اُس کے سپاہیوں سے انتقام لوں گا۔ وُہ تھانے پُہنچنے سے پہلے پہلے غائب کر دیے جائیں گے اور انگریز کا باپ بھی اگر چاہے تو اُن کی لاشیں تلاش نہ کر سکے گا۔ خدا حافظ، میرے دوست "

سلطانہ احمد خان کے جواب کا انتظار کیے بغیر رحمت ڈاکو کو ساتھ لے کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ حویلی کے باہر نکل گیا۔ محلّے سے باہر پیپل کے درخت تلے اُن کے گھوڑے گھاس چَر رہے تھے۔ وُہ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور تھانے دار کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

تھانیدار اور سپاہی ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے۔ شہر کا تھانہ شہر کی چار دیواری سے باہر ایک پُرانے مندر کے پہلو میں تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دُھوپ خوب چمک رہی تھی۔ شہر سے باہر نکل کر تھانیدار نے ایک جگہ درختوں کا سایہ دیکھا تو سپاہیوں سے کہا :

" ارے ان کھیتوں سے دو چار تربُوز تو توڑ دو۔ بڑی پیاس لگ رہی ہے "

سپاہی تربُوز توڑ کر لے آئے۔ تھانیدار گھوڑے سے اُتر کر آم

کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور تربوز کھانے لگا۔ سلطانہ ڈاکو نے دُور سے اپنے شکار کو دیکھ لیا تھا۔ وُہ گھوڑا دوڑاتا ہُوا رحمت کے ساتھ وہاں آن پُہنچا۔ اُس نے اپنا حُلیہ بالکل تبدیل کر رکھا تھا۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ سلطانہ ڈاکو ہے۔ اُس نے مُنہ سر کے گرد کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ سلطانہ ڈاکو تھانیدار کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اُتر گیا۔

"کیوں جناب، ایک مُسافر کو بھی تربوز کھانے کو مل جائے گا؟"

رحمت بھی سلطانہ کے ساتھ ہی گھوڑے سے اُتر گیا۔ تھانیدار نے غُصّے میں مُسافر کی طرف دیکھا اور غرّایا۔

"کون ہو تم، تمہیں اِس شہر کے تھانیدار سے تربُوز مانگنے کی جُرأت کیسے ہُوئی؟"

سلطانہ نے بڑی عاجزی سے کہا:

"حضُور، غلطی ہوگئی۔ بھُوک بڑی لگی تھی، معاف کر دیں۔"

تھانیدار نے گالی دے کر کہا:

"تمہیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں اِس گستاخی کی سزا دی جائے گی۔ سپاہیو، ان دونوں اُلّو کے پٹھوں کو گرفتار کر لو اور ان کے گھوڑے اپنے قبضے میں کر لو۔"

تھانیدار کا حکم پاتے ہی تینوں سپاہی آگے بڑھے۔ سلطانہ ڈاکو اور اُس کا ساتھی رحمت اسی انتظار میں تھے کہ وُہ آگے آئیں۔ دونوں ڈاکو

اب ٹھگ بن چُکے تھے اور اُنہوں نے مروڑیاں دے کر رومال ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔ ایک سپاہی دُوسری جانب جا کر سلطانہ اور رحمت کے گھوڑوں کو باندھنے لگا۔ دو سپاہی ہتھکڑیاں لے کر سلطانہ اور رحمت کو پہنانے لگے۔ ابھی اُنہوں نے ہتھکڑیوں والا ہاتھ آگے ہی بڑھایا تھا کہ سلطانہ ڈاکو اور رحمت ڈاکو سپاہیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مُسکرائے۔

"شریف آگیا ہے؟"

سلطانہ نے سرگوشی کی۔ رحمت نے سرگوشی میں جواب دیا:

"شریف آگیا ہے۔"

اِس کے ساتھ ہی سپاہیوں کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمکی اور اُن کی گردنوں کے منکے ٹوٹ چُکے تھے۔ وُہ زمین پر مُردہ ہو کر گرے ہی تھے کہ سلطانہ ڈاکو نے لپک کر اپنا خنجر تھانیدار کی گردن پر رکھ دیا اور رحمت ڈاکو نے گھوڑا باندھتے سپاہی کی گردن میں رومال ڈال کر جھٹکا دیا اور وُہ بھی مُردہ ہو کر گر پڑا۔

تھانیدار تو ہکّا بکّا رہ گیا۔ تربُوز اُس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے دس سیکنڈ کے اندر اندر اُس کے تینوں سپاہی ہلاک کر دیے گئے تھے۔ سلطانہ ڈاکو نے کپڑا مُنہ کے آگے سے ہٹا لیا اور تھانیدار کی طرف خُونخوار آنکھوں سے دیکھ کر مُسکراتے ہُوئے بولا:

"پہچانتے ہو مجھے لکھند لال؟"

"تم ... تم ..."

"ہاں میں ... کون ؟"

"سلطانہ ڈاکو ... !"

"ہاں سلطانہ ڈاکو — جس وقت تم میرے دوست احمد خان کے گھر کی تلاشی لے رہے تھے، مَیں نیچے تہ خانے میں چھپا تمہاری ساری باتیں سُن رہا تھا۔ تم جس طرح طاقت کے گھمنڈ میں میرے دوست احمد خان کے گھر کی خواتین کے بارے میں بے عزتی کے الفاظ بول رہے تھے، مَیں وہ بھی سُن رہا تھا اور میں نے یہ بھی سُن لیا تھا کہ تم انگریز فوجی لینے جا رہے ہو تاکہ میرے دوست کی خواتین کو گرفتار کر کے تھانے میں ذلیل کرو۔ صرف اِس لیے کہ تم احمد خان سے یہ پُوچھنا چاہتے تھے کہ مَیں کہاں ہُوں ؟ تو یہ دیکھو! مَیں تمہارے سامنے ہُوں اور ابھی تھوڑی دیر میں تمہاری لاش بھی یہاں پڑی ہوگی ۔"

تھانیدار مکند لال کا رنگ زرد ہوگیا۔ اُس کے بدن کا لہو خشک ہونے لگا۔ سلطانہ ڈاکو کو اپنے سامنے دیکھ کر اُس کی رُوح لرز اُٹھی تھی۔ وُہ سمجھ گیا تھا کہ اب اُس کا انجام قریب ہے۔ کیوں کہ سلطانہ ڈاکو اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لیا کرتا ہے۔ پھر بھی اُس نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا کر کہا :

"مجھے معاف کر دو سلطانہ ڈاکو، مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آئندہ ایسی

حرکت کبھی نہیں کروں گا ۔"

سلطانہ نے ہنس کر کہا :

"کیا مَیں تمہیں اِس لیے چھوڑ دوں کہ تم تھانے جا کر انگریز کمشنر کو یہ بتا سکو کہ سلطانہ ڈاکو احمد خان کی حویلی میں پناہ گزین تھا اور یہ کہ احمد خان کو گرفتار کیا جائے! ہرگز نہیں۔ اب مَیں تمہیں زندہ چھوڑ کر اپنے دوست احمد خان کو مصیبت میں گرفتار نہیں کروا سکتا۔ اب تو تمہیں واضح ثبوت مل گیا ہے کہ احمد خان نے مجھے پناہ دے رکھی تھی۔ اب تو تم اُسے کبھی معاف نہیں کرو گے۔ تم اور تمہارا انگریز کمشنر تو میرے دوست کا جینا حرام کر دے گا۔"

تھانیدار نے ہاتھ باندھ کر کہا :

"مَیں قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ مَیں کسی سے کچھ نہ کہوں گا ۔"

سلطانہ ڈاکو نے خنجر کی نوک تھانیدار کی گردن پر چبھتے ہُوئے کہا :

"میرے پیارے تھانیدار، تم کون سی موت پسند کرو گے؟ خنجر سے ہلاک ہونا زیادہ پسند کرو گے یا رومال کا جھٹکا پسند کرو گے؟ بولو یار — کیوں رحمت تمہارا کیا خیال ہے ؟"

رحمت نے کہا :

"جھٹکا زیادہ بہتر ہوگا۔ مگر سردار ذرا جلدی !"

"فکر نہ کرو "

سلطانہ ڈاکو نے پلک جھپکتے میں رومال تھانیدار کی موٹی گردن کے گرد ڈال دیا۔ تھانیدار تھر تھر کانپ رہا تھا اور سلطانہ اُس کی طرف دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔

"اچھا تو تُم میرے دوست کے گھر کی خواتین کو گرفتار کرنا چاہتے تھے؟"

اِس سے پیشتر کہ تھانیدار کچھ کہتا۔ سلطانہ ڈاکو نے ایک زوردار جھٹکا دیا اور تھانیدار کی گردن لٹک گئی۔ رحمت نے کہا کہ "اب فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ دُور سے کچھ لوگ اُس طرف چلے آ رہے تھے۔ سلطانہ ڈاکو اور رحمت دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اُنہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور سدھائے ہوئے وفادار گھوڑے مالک کا اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گئے۔ بہت جلد وُہ شہر کی حدود سے نکل کر کُھلے کھیتوں اور کُھلے میدانوں میں آ گئے۔ وُہ سَرپٹ گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے۔ وہ جلد سے جلد اپنی کمین گاہ میں واپس پہنچنا چاہتے تھے۔ نجیب آباد کے جنگلوں میں پہنچ کر اُنہوں نے گھوڑوں کی رفتار دھیمی کر دی اور شام کے اندھیرے ابھی پُوری طرح سے نہیں پھیلے تھے کہ وُہ پُرانے قلعے کے کھنڈر میں آ گئے۔

☆☆☆☆

سلطانہ کی موت

•

تھانیدار اور سپاہیوں کی موت کے بعد پولیس نے سلطانہ ڈاکو کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ انگریزی فوج نے نجیب آباد کے جنگل میں جگہ جگہ چھاپے مارے مگر سلطانہ ڈاکو اُس کے ہاتھ نہ لگا۔ اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطانہ کے خبر دینے والے اُسے ایک روز پہلے پولیس اور فوج کی آمد کے بارے میں اطلاع کر دیتے تھے اور سلطانہ ڈاکو اپنے گروہ کو لے کر وہاں سے آگے کی طرف نکل جاتا تھا۔ اِس صورتِ حال سے ڈاکو بھی تنگ آ گئے۔ چنانچہ سلطانہ نے رحمت سے مشورہ کرنے کے بعد پُرانے قلعے سے ٹھکانا بدل لیا۔ اب وُہ جے پُور ریاست کے اردگرد کے علاقے میں پھیل گیا اور پُرانی جھیلوں کے ویران کھنڈروں کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اس ریاست میں سلطانہ ڈاکو پہلی بار ڈاکے ڈالنے کی نیت سے آیا تھا۔ وُہ اِس علاقے کا پُورا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

اِس مقصد کے لیے اُس نے اور رحمت نے کسانوں کا بھیس بدلا اور ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ قصبہ ریاست کا ایک بہت بڑا قصبہ تھا اور یہاں اُس نے سُن رکھا تھا کہ بڑے بڑے امیر سیٹھ رہتے ہیں۔ وُہ اپنی آنکھوں سے اُن کی دولت اور امارت کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

گرمی کا موسم شروع ہو چکا تھا اور فضا میں کافی تپش تھی۔ دونوں ڈاکو سفر کرتے کرتے بڑے قصبے سے ایک میل اِدھر ایک گاؤں میں پہنچے۔ اُنھیں بڑی پیاس لگ رہی تھی۔ جے پور کا علاقہ زیادہ تر ریگستانی علاقہ ہے اور وہاں پانی کے بہت ہی کم کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ رحمت اور سلطانہ ڈاکو گاؤں میں پہنچ گئے تو اُنھوں نے ایک ببول کے درخت کی چھاؤں تلے اپنے گھوڑوں کو باندھا اور ایک دیہاتی مکان کا جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ انھیں اندر سے کسی عورت کے ہولے ہولے رونے کی آواز آئی۔ وُہ بڑے پریشان سے ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ضرور وہاں کسی کی مرگ ہو گئی تھی۔ دُوسری بار دستک دینے کے بعد ایک اُدھیڑ عُمر آدمی نے دروازہ کھولا۔

"کیا بات ہے بابا؟" ادھیڑ عمر کے دیہاتی نے پُوچھا۔

سلطانہ ڈاکو نے کہا:

"ہم مُسافر ہیں، پیاس لگی ہے۔ کیا پینے کو پانی مل جائے گا؟"

"ابھی لاتا ہُوں"

یہ کہہ کر ادھیڑ عمر کا آدمی اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہُوا لوٹا تھا۔ دونوں ڈاکوؤں نے ٹھنڈا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ سلطانہ ڈاکو نے پُوچھا:

"میاں جی، کیا بات ہے۔ یہ بہن جی کیوں رو رہی ہیں؟"

اُدھیڑ عمر آدمی نے آہ بھر کر کہا:

"آپ لوگ سُن کر کیا کریں گے جو ہمارے لیکھوں میں لکھا تھا ل

گیا"

ڈاکوؤں کا تجسس بڑھ گیا۔ رحمت بولا:

"پھر بھی کچھ تو معلوم ہو کہ آخر کیا بات ہو گئی ہے؟"

اِس پر ادھیڑ عُمر آدمی نے کہا:

"اندر آ کر بیٹھ جاؤ۔ پھر ہماری بپتا بھی سُن لو"

رحمت اور سلطانہ دالان میں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ ایک عورت ذرا پرے پیڑھی پر بیٹھی چُپکے چُپکے آنسو بہا رہی تھی۔ ادھیڑ عُمر کے آدمی نے بتایا کہ اُن کے بیٹے کی نئی نئی شادی ہُوئی تھی۔ وُہ ایک ہفتہ ہُوا نوکری کرنے اجمیر شریف گیا ہے۔ کل رات ڈاکو اُن کے گھر میں آئے اور اُن کی بہو کو اُٹھا کر لے گئے۔

سلطانہ کانپ اُٹھا:

"آپ کی بہو کو ڈاکو اُٹھا کر لے گئے"

"ہاں — ہماری عزّت برباد کر گئے۔ ہم تو کسی کو مُنہ دکھانے کے لائق نہیں رہے"

"آپ کی بہو کس گاؤں سے آئی تھی بابا؟"

"جھلونی، ضلع نجیب آباد سے — چندا اُس کا نام تھا۔ چندا سے بھی پیاری تھی ہماری بہو رانی"

ایک دم سلطانہ کے دل کو جھٹکا سا لگا، تو کیا یہ چندا وُہی لڑکی ہے جس کے سر پر اُس نے پگڑی پھاڑ کر دوپٹہ دیا تھا اور جسے اُس نے اپنی بیٹی بنایا تھا؟ یقیناً یہ وہی چندا تھی۔ سلطانہ ڈاکو نے پُوچھا:

"بابا وُہ ڈاکو کس طرف کو گئے تھے؟"

اُس آدمی نے بتایا کہ اُس نے اُنہیں مغرب کی طرف جاتے دیکھا تھا
سلطانہ سمجھ گیا کہ یہ ذلیل حرکت سوائے بنسی ڈاکو کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وُہی غریبوں کی عزّت اور جان و مال کا دشمن بن کر وہاں نازل ہُوا تھا اور اب اُس کی یہ جُرأت کہ وُہ سلطانہ ڈاکو کی منہ بولی بیٹی کو اُٹھا کر لے گیا۔

"رحمت اُٹھو، میرے ساتھ آؤ۔"

سلطانہ نے بابا سے کہا :

"بابا تم فکر نہ کرو۔ مَیں جب تک تمہاری بہو کو تمہارے قدموں میں نہ لاؤں گا ایک پَل بھی چین سے نہ بیٹھوں گا۔ مَیں نے چندا کے سر پر دوپٹہ اوڑھا کر اُسے اپنی بیٹی بنایا تھا۔ وُہ آپ کی بہو نہیں، میری بیٹی بھی ہے۔"

اتنا کہہ کر سلطانہ ڈاکو نے رحمت کو ساتھ لیا اور بنسی ڈاکو کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ غصّے سے اُس کا خون کھول رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنسی ڈاکو اُسے کہیں نظر آ جائے اور وُہ اُس کی آنکھیں نوچ لے۔ دونوں دوست ڈاکو بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے دُشمن کی کمین گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈاکو ہونے کی وجہ سے انہیں خوب معلوم تھا کہ ایک ڈاکو جے پور ایسے علاقے میں کہاں چھُپ سکتا تھا۔ اِس علاقے میں کہیں تو ریت کے میدان تھے اور کہیں اِس قدر گنجان درختوں کے جھُنڈ کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ وُہ ریاست کی پُرانی جھیلوں پر پہنچ گئے۔ ان جھیلوں کے بیچ میں کہیں کہیں سنگِ مرمر کی بارہ دریاں بنی تھیں جو ویران نظر آ رہی تھیں۔ اُن کے کنارے کنارے درختوں کے جھُنڈ تھے۔ سلطانہ نے رحمت سے کہا :

"بنسی ڈاکو اِنہی جھُنڈوں میں کہیں چھُپا ہُوا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ ہم دُوسری جانب سے آ کر ان درختوں میں دیکھتے ہیں۔"

وُہ جنوب مشرق کی طرف مُڑ گئے۔ یہاں کسی پُرانے محل کی شکستہ دیوار شروع ہوتی تھی۔ کہیں کہیں محل کے گرے پڑے پتھروں کے ڈھیر پڑے ہُوئے تھے۔ رحمت نے کہا :

"میرا خیال ہے بنسی یہیں کہیں ہے۔"

اتنے میں ابھی وُہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اُنہیں کسی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ یہ چندا کی چیخ تھی۔ سلطانہ ڈاکو نے چندا کی آواز پہچان لی۔ وُہ لپک کر پتھروں کے ڈھیر سے باہر نکلے تو سامنے اُنہوں نے ایک دلخراش منظر دیکھا۔ چندا ایک درخت کے ساتھ بندھی ہُوئی تھی اور ایک ڈاکو اُسے ہنٹر سے مار رہا تھا۔ اُس کے پیچھے بنسی ڈاکو کھڑا مستی میں جھُوم رہا تھا۔ کچھ اور ڈاکو ذرا پرے زمین پر بیٹھے تھے۔ سلطانہ ڈاکو کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

"رحمت، میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

رحمت نے سلطانہ کا ہاتھ تھام کر کہا :

"ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہوگا۔ ڈاکو تعداد میں زیادہ ہیں۔"

سلطانہ نے رحمت کا ہاتھ جھٹک کر کہا :

"یہ تم سلطانہ ڈاکو سے کہہ رہے ہو جس نے غریبوں کی مدد کرتے ہُوئے اپنی جان کی کبھی پروا نہیں کی۔"

اتنا کہہ کر سلطانہ ڈاکو نے پتھروں کی آڑ لے کر بنسی ڈاکو کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ بنسی ڈاکو کی

کھوپڑی اڑ گئی اور وُہ کٹے ہُوئے درخت کی طرح دھپ سے زمین پر گر پڑا۔ اِس کے ساتھ ہی سلطانہ ڈاکو کی دوسری گولی نے اُس ڈاکو کو ہلاک کر دیا جو چندا کو ہنٹر مار رہا تھا۔ رحمت نے تیسری گولی سے بیٹھے ہُوئے ڈاکوؤں میں سے ایک کو ہلاک کر دیا۔ باقی ڈاکو ایک دم درختوں کے پیچھے چھپ گئے اور گولیاں برسانے لگے۔ سلطانہ اور رحمت گولیاں چلاتے رینگتے ہُوئے ڈاکوؤں کے قریب پہنچ گئے۔ اُنہوں نے پے در پے فائرنگ کر کے تین اور ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا۔ اب وُہ اُس درخت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جہاں چندا بندھی ہُوئی تھی۔ سلطانہ نے ہتھیلے میں سے گولیاں نکال کر بندوق میں بھریں اور مسلسل فائرنگ شروع کر دی۔ وہ ڈاکوؤں کو اتنی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا اور چندا کی زندگی ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔ رحمت رینگتا ہُوا درختوں کے عقب میں چلا گیا۔ وہاں سے اُس نے گولی چلا کر ایک ڈاکو کو مار ڈالا۔ اُس کا ساتھی درخت کے اُوپر چڑھ کر سلطانہ ڈاکو پر فائرنگ کرنا چاہتا تھا کہ رحمت کی ایک ہی گولی نے اُسے ہلاک کر کے مُردہ چوہے کی طرح نیچے پھینک دیا۔

”رحمت آگے بڑھو!“

سلطانہ نے چیخ کر کہا۔ ساتھ ہی اُس نے ڈاکوؤں سے کہا:

”ہتھیار پھینک دو۔ تمہارا سردار مارا جا چکا ہے۔ میں سلطانہ ڈاکو بول رہا ہُوں۔“

سلطانہ ڈاکو کا اُن پر اِس قدر رُعب پڑا کہ اُنہوں نے اندھا دُھند بھاگنا شروع کر دیا۔ رحمت اور سلطانہ نے اُن پر گولیوں کی بارش کر دی۔

کچھ ڈاکو گولی کھا کر گرے اور باقی بھاگ گئے۔ سلطانہ نے آگے بڑھ کر چندا کو درخت سے الگ کیا اور اُس کے سر پر دوپٹہ ڈال کر بولا:

”تم نے مجھے پہچانا نہیں چندا بیٹی؟“

”مجھے اِس وقت کچھ نظر نہیں آتا!“

”مَیں سلطانہ ہُوں بیٹی، جس نے تجھے ایک روز اپنی مُنہ بولی بیٹی کہہ کر سر پر دوپٹہ اوڑھایا تھا!“

چندا نے احسان بھری نظروں سے سلطانہ کو دیکھا اور بھرّائی ہُوئی آواز میں کہا:

”اگر آپ اِس وقت رحمت کا فرشتہ بن کر نہ آتے تو یہ لوگ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرتے!“

”اب مت گھبراؤ چندا، ہم تمہیں یہاں سے تمہارے گھر لے جا رہے ہیں۔ تمہاری ساس اور سسر تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہے ہیں۔ ہم اُن سے مل کر آ رہے ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو!“

اُنہوں نے چندا کو ایک ڈاکو کے گھوڑے پر بٹھایا اور اُس کے دائیں بائیں اپنے گھوڑے قدم قدم بڑھاتے چندا کے سسرال کی جانب روانہ ہو گئے۔

”مجھے پیاس لگی ہے!“

”راستے میں ایک جھیل آتی ہے بیٹی۔ وہاں پانی مل جائے گا!“

کوئی چھ میل صحرا میں سفر کرنے کے بعد ایک جھیل ملی جس کا پانی گدلا ہو رہا تھا۔ سلطانہ ڈاکو اور رحمت نے چندا کو سہارا دے کر گھوڑے پر سے اُتارا اور زمین پر کمبل بچھا کر بٹھا دیا۔ پانی پی کر چندا کی طبیعت

سنبھلی تو اُس نے سارا واقعہ سُنایا کہ کس طرح ڈاکو اُن کے گھر کی دیوار توڑ کر اندر گھس آئے اور اُسے اٹھا کرلے گئے۔ اُس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سلطانہ اُس کی مدد کو پہنچ گیا۔ سلطانہ نے اُسے بتایا کہ کیسے وُہ اُس کے سسرال کے گاؤں میں سے گزرے۔ اُنہیں پیاس لگی تو اتفاق سے جس گھر سے انہوں نے پانی پیا وہ اُس کا سسرال تھا۔ وہاں انہیں معلوم ہُوا کہ چندا کو ڈاکو اغوا کر کے لے گئے ہیں اور وُہ اُس کی تلاش میں نکل کھڑے ہُوئے۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اُنہوں نے دوبارا سفر کی تیاری شروع کردی۔ سلطانہ ڈاکو چندا کو سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کروا رہا تھا کہ اچانک گولی چلنے کی آواز آئی اور سلطانہ ڈاکو لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا۔ چندا کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ رحمت نے ایک دم سلطانہ کو ایک طرف کھینچ لیا اور جدھر سے گولی چلی تھی اُدھر فائرنگ شروع کردی۔ گولی سلطانہ کے پیٹ میں لگی تھی اور خون بہنے لگا تھا۔ پھر بھی وُہ پتھروں کی اوٹ میں ہو کر دشمن پر فائرنگ کرنے لگا۔

"رحمت، پیچھے سے جا کر حملہ کرو۔ چندا ان پتھروں کی اوٹ میں ہو جاؤ۔"

رحمت رینگتا ہوا درختوں کے عقب میں جا نکلا۔ یہاں اُس نے ایک ڈاکو کو دیکھا جو نبی کا ساتھی تھا اور درخت کے ساتھ لگا اُس طرف گولیاں چلا رہا تھا جدھر سلطانہ ڈاکو اور چندا چھپے ہُوئے تھے۔ رحمت نے نشانہ باندھا اور گولی چلادی۔ گولی سیدھی ڈاکو کی گردن میں لگی اور وُہ

جہاں بیٹھا تھا وہیں لڑھک گیا۔ رحمت اُس کی لاش کو وہیں چھوڑ کر سلطانہ ڈاکو کی طرف آیا۔ زیادہ خون بہہ جانے سے سلطانہ پر کمزوری چھا رہی تھی۔ پھر بھی وہ بڑے حوصلے سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"ہمیں چندا کی امانت کو اُس کے گھر پہنچانا ہے رحمت۔"

دونوں ڈاکو چندا کو لے کر اُس کے گھر کی طرف چل پڑے۔ اگرچہ رحمت نے سلطانہ کے پیٹ پر کس کر کپڑا باندھ دیا تھا مگر خون برابر بہہ رہا تھا۔ رائفل کی گولی پیٹ میں لگ کر دوسری طرف ایک گہرا شگاف ڈالتی ہوئی نکل گئی تھی۔ زیادہ خون بہہ جانے سے سلطانہ کا رنگ زرد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ رحمت نے کہا۔

"سردار، تم یہاں آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں گاؤں جا کر کسی جرّاح کو بُلا لاتا ہُوں۔"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے رحمت، سفر جاری رکھو۔"

جس وقت وُہ چندا کو لے کر اُس کے سسرال پہنچے تو اُس کا سسر اور ساس اپنی بہو کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے لیکن جب اُنہوں نے سلطانہ کو شدید زخمی حالت میں خون میں لت پت دیکھا تو وُہ پریشان ہو گئے۔

"میں گاؤں کے حکیم جی کو بُلاتا ہُوں۔"

سلطانہ ڈاکو نے اُس کا ہاتھ تھام لیا:

"اب وقت نہیں رہا بابا—"

پھر اُس نے چندا کو پاس بٹھا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا:

"مجھے معاف کر دینا بیٹی! میں دیر سے پہنچا۔"

اُس نے چندا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور پھر اُس کا ہاتھ اپنے آپ گر پڑا اور اُس کی رُوح پرواز کر گئی۔ سلطانہ ڈاکو مر گیا تھا۔ رحمت نے اُس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا۔ چندا اپنے منہ بولے باپ کی لاش سے روتی ہُوئی لپٹ گئی۔ رحمت نے اُسے حوصلہ دیا اور اُسی شام سلطانہ ڈاکو کی لاش کو لے کر اپنے ساتھیوں کی کمین گاہ کی سمت روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد سلطانہ ڈاکو کا دَور ختم ہوگیا۔

اس کی موت پر امیروں نے جتنی خوشی منائی، اس سے زیادہ غریبوں نے اُس کا سوگ منایا۔ آخر وُہ غریبوں کا ہمدرد تھا اور ایک غریب کی بیٹی کی عزت بچاتے ہُوئے ہی اُس نے اپنی جان قربان کر دی تھی۔

✲✲✲✲

٦
ڈراموں کا مکمل سیٹ
حکیم جی : مختلف ٦ ڈراموں کا آسان مجموعہ۔
ترتیب : عشرت رحمانی
انوکھی تقسیم : اس مجموعہ میں ٦ ڈرامے ہیں۔
وطن کی مٹی : قومی جذبہ بیدار کرنے والے ۷ ڈرامے
زندہ باد : سبق آموز اور مزاحیہ ۵ ڈراموں کا سیٹ۔
کرائے کا مکان : قومی اور مزاحیہ ٦ ڈرامے پیش کیے گئے ہیں۔
بھارت کے لال : مجاہد، فریادی، انعام جیسے بہترین ڈراموں کا انتخاب۔
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور • حیدرآباد • کراچی